بِسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیمہ

حضرتِ اکبر لاہوری کا ظریفانہ کلام

موجِ تبسّم

چوہدری محمد اکبر خاں بھٹی
(اکبر لاہوری)

بی اے (آنرز) ایل ایل بی

ایڈووکیٹ لاہور ہائی کورٹ

۲/۲ میاں میر روڈ۔ ڈاکخانہ مغلپورہ۔ لاہور

بار اوّل ... جون ۱۹۷۵ء — کتابت ..... خواجہ طفیل

تعداد ..... چھ سو — پرنٹنگ ... ایورگرین پریس لاہور

قیمت:

کتاب دی وِدیا

مَیں سُنیا جو اِک، لکھاری کہے کتاب نوں گلّاں
نئے بی بی ہیں اوڑک تینوں دُنیا دے تے گھلّاں

توں میرے سینے وچ رہ کے اپنے سال گزارے
مَیں بے چارے تینوں دِتّے مساہاں نال ہُلارے

توں میرے جگرے دی بوٹی، میرے دِل دا ٹکڑا
میریاں اکھاں دا اے چانن تیرا سوہنا مکھڑا

تتّی وا زمانے دلی اکھاں رتّے بھریاں
سیانے اِنج گزارن ایتھے جوتیاں سوجریاں

میرے ورگا سینہ لبھّی اوتھے جھاتی پاویں
رب دا شکر گزاریں تے دوپل اوتھے بہ جاویں

تے جے ساری دنیا وچ ایسا سینہ نہ لبھّے
کسے تنورے جا ڈِگیں بن ویکھیاں سجّے کھبّے

(ماخوذ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہو گا

خواتین و حضرات مَیں نہ تو کوئی اشتہاری حکیم ہوں کہ اپنی دوا کے نسخے کو چھپا چھپا کر رکھوں یا اس کے نادر الحصول اجزائے ترکیبی کا ڈھنڈورا پیٹوں۔ نہ ہی کسی والئی ریاست کا طبیب خاص ہوں کہ کسی صدری اور آبائی نسخے کو جان کے ساتھ لگا کر رکھوں اور مرتے مرتے وصیت کر جاؤں کہ اِسے میرے ساتھ قبر میں دفن کر دینا۔ اس لیے میں آپ کو صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ میں ایک معمولی شاعر ہوں شعر اس لیے کہتا ہوں کہ کہے بغیر رہ نہیں سکتا۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے، جب کوئی تجربہ حاصل ہوتا ہے، جب کوئی چیز مشاہدے میں آتی ہے اور اُس کی یاد ذہن سے نہیں نکلتی تو یوں محسوس کرتا ہوں جیسے ایک پھانس ہے جو جگر میں اٹک کے رہ گئی ہے جب تک اُسے نکال نہیں چکتا طبیعت کو سکون نصیب نہیں ہوتا تبھی اُس واقعہ، اُس تجربہ اور اس چیز کے اظہار پر مجبور سا ہو جاتا ہوں اور اکثر بلا کم و کاست سپرد قرطاس کر دیتا ہوں اس لیے سب سے پہلے نہایت وضاحت سے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ مَیں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ابتداءً آپ کے لیے نہیں لکھا، اپنے لیے لکھا ہے۔

قاری کی حیثیت اس سلسلے میں ثانوی ہے۔اُسے صرف یہ دیکھنے کا موقع مل سکتا ہے کہ شاعر لوگ کن موضوعات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور اُن کے تاثر کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔

احساس کے تجربہ سے گزرتے ہوئے اکثر دیکھا گیا ہے کہ حضرت واعظ بالعموم بڑے بڑے اور جاں گسل واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں اور نہایت چھوٹے چھوٹے اور گھٹیا قسم کے امور پر سیخ پا ہو جاتے ہیں۔شاید اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زہرہ گداز اور جاں گسل واقعات کے ذمہ دار لوگ ذی اقتدار مالکانِ حیات وموت ہوتے ہیں۔اور چھوٹے چھوٹے غیر اہم امور کا تعلق اُن لوگوں سے ہوتا ہے جو یا تو موت سے ہمکنار ہو چکے ہوتے ہیں یا زندہ درگور ہوتے ہیں۔اس لیے بے اختیار منہ سے نکلا۔

دنیا جنابِ شیخ کو چاہے جو کچھ کہے
ہر عافیت پسند کے حضرت امام ہیں
فرما رہے تھے حِلّت و حُرمت کے باب میں
بِدّی حلال، شیر اور چیتا حرام ہیں

دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھتا تھا لوگ زمانے کی شکایت کرتے ہیں۔قسمت کی غلط بخشیوں اور اربابِ اختیار کی کوتاہیوں کا رونا روتے ہیں پھر یہ سُنتا تھا کہ یہ صورتِ حال نئی نہیں ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے ذی علم صاحبانِ ہوش اس دعوٰی کی

تائید میں خواجہ حافظ کی غزل کا حوالہ دیتے تھے جس کا مطلع ہے ؎

این چہ شوریست کہ در دورِ قمرے بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شرے بینم

میں نے نئے حالات کو پُرانے حالات سے مختلف نہ پاکر بلکہ کسی قدر بدتر دیکھ کر عرض کیا۔

اپنا اپنا زمانہ

حافظؒ کے زمانے میں
کچھ لوگ حماقت سے
پالان گدھے والا
کس دیتے تھے گھوڑے پر
اور جس کی اذیت سے
سُنتے ہیں کہ وُہ گھوڑا
رہتا تھا مصیبت میں
چلتا تھا تو رُک رُک کر
اکبر کے زمانے کا

دستور نرالا ہے

دیکھا کہ گدھے صاحب

اسوار ہیں گھوڑے پر

اور لطف یہ ہے کوئی

فریاد نہیں سُنتا

چابک پہ مگر چابک

ہنٹر پہ مگر ہنٹر

تم دیر میں مانو گے

ہم نے تو یہ مانا ہے

وہ اَور زمانہ تھا

یہ اَور زمانہ ہے

آنکھیں دیکھتیں تھیں اور دیکھ دیکھ کر دُکھتی تھیں کہ اس زمانے کے دشمنوں کی دشمنی کچھ عجیب نوعیت کی ہے مثلاً مرزا غالب کے زمانے میں قاتل قتل کرنے کے بعد پشیمان ہو جاتا تھا

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زُودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

مگر میں دیکھتا تھا کہ میرے زمانے کا قاتل جانتا بھی نہیں کہ پشیمانی

کیا شے ہے وہ نہایت ڈِھٹائی سے واقعۂ قتل ہی کی تردید کر دیتا ہے اور مقتول کے بے حیا دوست اس کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دیتے ہیں مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ مندرجہ ذیل قطعہ کی ساخت پرداخت میں ایسے ہی دشمنوں اور دوست نما دشمنوں کی کوشش شامل ہے۔ میرے احساس کو واقعہ نگاری میں ذرا سی بھی دقت پیش نہیں آئی کہ میں تنہا یہ اشعار کہنے پر فخر کرتا پھروں۔

اپنا اپنا قاتل

ایک غالب تھے کہ قاتل نے کیا قتل اُن کو
اور کی قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ایک اکبر ہے کہ اس پر یہی آفت بیتی
لیکن اس عہد کے قاتل کی رِیا سے توبہ
کی میرے قتل کی اخبار میں تردید اُس نے
اور کرا دی میرے احباب سے تائید اُس نے

پنجاب میں ایک کہانی زبانِ زدِ خاص و عام ہے کہ گلی کے بے بس آوارہ کُتے نے دیکھا کہ اس کا خوش نصیب دوست اپنے صاحب کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر پشاور کو جا رہا ہے۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہو لیا پشاور پہنچ

کر صاحب کے کتے نے اپنے غریب دوست کتے کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پوچھا

میں تو موٹر میں آیا تم کیسے آ گئے۔ غریب کتے نے جواب دیا سڑک کے

نزدیک جب کسی گاؤں میں سستانے کے لیے ٹھہرتا تھا تو برادری کے لوگ

چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے اُن کے پنجوں اور خونخوار دانتوں سے

ڈر کر دُم دبا تا ہُوا وہاں سے نکل بھاگتا اسی طرح راہ کے ہر گاؤں میں اور ہر موڑ

پر برادری استقبال کرتی اور الوداع کہتی رہی اور آخر ان کا بھگایا ہُوا منزلِ مقصود

تک پہنچ گیا۔ مختصر یہ ہے کہ تم کو صاحب کی موٹر نے اور مجھے برادری کی ہمت

نے یہاں تک پہنچا دیا۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ خدا برادری کو سلامت رکھے

اُن کی مہربانی سے مضامین کی کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی اور نہ ہی ترتیب

مضامین میں کوئی دقت پیش آئی ہے بلکہ بارہا کیفیت یہ ہوئی کہ بقولِ انشاء

حیران ہے یہ خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں

بادل سے چلے آتے ہیں مضمون مرے آگے

ملاحظہ فرمائیے کہ نئے زمانے کے دشمنوں کی دشمنی غزل میں بھی آدھمکی ہے۔

بدلا زمانہ ایسا کہ اُلفت تو درکنار

اگلی سی دشمنوں میں عداوت نہیں رہی

اپنوں کی دیکھ دیکھ کے اکبرؔ نوازشیں

غیروں سے کوئی وجہِ شکایت نہیں رہی

اتوار کے دن گھر میں آرام سے بیٹھا تھا اور ہفتے کی تکان کو حقے کے کش چائے کے گھونٹ اور تکیے کے سہارے دور کر رہا تھا حلفاً عرض کرتا ہوں کہ پرانا شعر پڑھنے اور نیا شعر لکھنے کا اُس وقت قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا کہ راولپنڈی کے ایک فاضل مجسٹریٹ کا فیصلہ اخبار میں پڑھ کر خون کھول گیا۔ کسی غریب نے، فاقوں اور ناداری سے تنگ آکر خودکشی کا اقدام کیا تھا۔ فاضل مجسٹریٹ نے اُسے پچاس روپے جرمانے کی سزا دی بس فوراً یہ شعر زبانِ قلم پر آگئے۔

ایک روٹی کے نہ ملنے سے ہُوا مایوس وُہ
اور ڈھونڈی اپنے ہاتھوں ہی سے مرگِ ناگہاں
کل عدالت نے سنایا اس کو اپنا فیصلہ
جمع کروا دے خزانے میں وہ نوسو روٹیاں
ساتھ ہی اکبرؔ سزا یہ دی ہے مجھ مجنون کو
جج کو فاضل اور اسلامی کہوں قانون کو

اسی طرح ایک دن اخبار میں پڑھا کہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں ایک بھینسے نے آدمی کے ٹکر ماردی بے چارہ آدمی اِس ٹکر کی تاب تو کیا لاتا فوراً جان، جاں آفریں کے سپرد کر کے اگلے جہان جا پہنچا۔ اس پر عرض کیا۔ عنوان ہے۔ "ٹکراؤ"۔

اِک بھینسے اور انساں کے ٹکراؤ میں یہ نکتہ پنہاں ہے،

جو رہ جائے وہ بھینسا ہے جو مر جائے وہ انساں ہے

اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ میں نے آدمی کا مرثیہ کیوں لکھا۔ میرے پاس اِس کے سوا کوئی جواب نہیں کہ آدمی میری قوم سے تھا اور بھینسا، بھینسوں کی ایک زبردست قوم سے۔ اس لیے آدمی کا مرثیہ لکھنے کا فرض مجھ پر ہی عائد ہوا اور میں نے یہ فرض پورا کر دیا۔ اِسی مجموعے میں "عقل بڑی کہ بھینس" کے عنوان سے ایک اور نظم بھی شامل ہے اُسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

ٹکراؤ میں خواہ ہمیشہ آدمی ہی کی موت واقع ہو جائے اور موت کے سوا آدمی کے حِصّے میں کچھ نہ آئے پھر بھی آدمی، آدمی ہی کہلانا پسند کرے گا بھینسا کہلانے کی آرزو نہیں کرے گا۔

لاہور کے کشمیری بازار میں ماشاءاللّٰہ قرآن شریف کی تجارت شریف ہوتی ہے۔ اس بازار کے شرفاء کے عمل شریف کی طرف دھیان دیجیے۔ ایک معصوم لڑکی اپنی نانی کے ساتھ اسکول جا رہی تھی ایک غنڈے نے اُسے زبردستی اٹھا لیا قرآن کے شہرہ آفاق تاجر لوگ اور اُن کے ساتھی اپنی دکانوں کے تھڑوں پر کھڑے ٹک ٹک تماشا دیکھتے رہے کسی نے آگے بڑھ کر مزاحمت کرنے کی جرأت نہ کی۔ اس پر یہ نظم ہوئی

اک مومنہ کی آن لُٹی بر سرِ بازار

اور اس پہ نہ خوں گرم ہوا ایک جری کا
اس حادثے پہ اب ہیں ملول و متاسف
وہ جن کو کہ ہے خوف خدا اور نبیؐ کا
کہتے ہیں کہ رخصت ہوئی جب قوم سے غیرت
کیا فائدہ پھر فکرِ خفی ذکرِ جلی کا
اکبرؔ نے کہا مجھ کو تعجب نہیں کوئی
یہ قصہ ہے قرآن فروشوں کی گلی کا

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص دودھ بیچنے سے موٹا، شراب بیچنے سے مست قرآن بیچنے سے باعمل مومن نہیں بن سکتا۔ اور اسی خیال کا ایک ہلکا سا پرتو ان اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔

کوئی واقعہ، کوئی مشاہدہ، طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہو تو جب تک وہ کسی صورت سے اشعار میں ظاہر نہ ہو جائے چین نہیں پڑتا خواہ اُس واقعہ پر کتنا ہی وقت گذر جائے۔ ایک سرکاری دفتر میں جہاں میں بھی ملازم تھا با جوہ قوم کا ایک نوجوان جس کی صحت مندانہ برتری جسمانی قوت ڈیل ڈول اور پہلوانوں کے سے کس بل کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی تھی ایک سفید ریش منحنی اور مریل افسر کو دیکھ کر اور اس کی شانِ افسری کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک ستون کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اس کے چند ساتھیوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی

کی۔ مجھے اُن کی یہ حرکت سخت شاق گذری۔ مجھے غصّہ اِس بات پر آیا کہ ایک شیر جیسا کڑیل جوان ایک بھیڑ جیسے مریل لومڑ سے کیوں دبکتا ہے۔ شاعر ہی نے مسئلہ حل کر کے رکھ دیا۔

حیرانی ہی میری نہ رہی حد اکبرؔ
شیروں کو چھپے بھیڑ سے دیکھا ڈر کر
پوچھا جو سبب اِس کا تو معلوم ہُوا
یہ بھیڑ ہے ان شیروں پہ گزیٹڈ افسر

ایک انسان نما ابلیس جو مولانا رومیؒ کے اِس مصرع کی زندہ و پائندہ تصویر تھے۔

اے بسا ابلیس مردم روی ہست

مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے شیطنت حضور کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ مگر سننے والوں پر دھوپ سے چمکتے ہوئے ڈاڑھی اور سر کے بالوں کا رعب تھا۔ اور جناب ابلیس اُن کو خُدا کا نام لے لے کر شیطانی احکام پر عمل کرنے کی تاکید فرما رہے تھے مجھ سے نہ رہا گیا عرض کیا۔

"تم کو شیطاں سے جو بچنا ہے تو میرے پاس آؤ"
کہہ رہے تھے شیخ جی اک سادہ دل مسلم سے آج

سن کے یہ شیخی کہا اکبرؔ نے آتنا زیرِ لب
یہ ہے شاید تسیلطنت کا ہومیوپیتھک علاج

اسمبلی کے ممبر حضرات آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے قومی آبرو اور ملّی بہبودی کا کنکوا اُن کی باہمی لڑائیوں میں چمٹ ہو رہا تھا علماءکرام اور مقدسینِ قوم برابر ان حضرات کو ادائے فرض کی تلقین کرتے اور ادائے فرض کو ابدی سرخروئی کا وسیلہ اور محبوبِ حقیقی کی عبادت کا مثنیٰ سمجھنے کی ہدایت کرتے۔ مگر کوئی اُن کی بات سُن کر نہ دیتا۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا۔

آ بتا دوں تجھ کو اے ہمراز اک رمزِ حیات
جس کو سُن کر رہبرانِ قوم بھی کہہ دیں کہ ہاں
لڑنے بھڑنے کے لیے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّو بیاں

ایک تابعدار سرکاری ملازم اور وفادار سرکاری رعایا کی حیثیت سے یہ منظر متواتر و مسلسل سامنے آتا تھا کہ اربابِ اقتدار کو اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ کرنا ایک بہت بڑی مصیبت مول لینے کے مترادف ہے کیونکہ اربابِ اختیار اصلاحِ احوال کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوں گے۔ (الا ماشاءاللہ) بلکہ اُن کی ساری توجہات اس امر پر مرکوز ہو جائیں گی کہ شکایت کون کرتا ہے اور اُس

سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔اس واقعہ کو ایک نہایت ہی مختصر ڈرامے کی صورت میں پیش کیا۔

فراش: حضور! ہال کا قالین ہے بہت گندہ
جو حکم ہو کسی ماہر سے صاف کروالیں

وزیر: ٹھہر۔کہ مجلسِ آئین بیٹھنے کو ہے
اسی سے کیوں نہ یہ قانون پاس کروالیں
ہمارے ہال کے قالین کو جو گندہ کہے
وہ بدزبان سزا پائے اور ڈنڈ بھرے

مختصر یہ ہے کہ جب کسی واقعہ نے دِل پر اثر کیا ہے تو دل نے فوراً اپنا ردِّ عمل پیش کر دیا ہے۔مصلحتاً نہیں طبعًا۔آپ کا شاعر ایک حد تک عدم تشدد کا پابند ہے کسی پر قمقمہ پھینکنے کو گولہ پھینکنے کے برابر سمجھتا ہے۔لیکن نہایت ادب،بڑی عاجزی اور بے انتہا فروتنی سے عرض کرتا ہے کہ واقعات تجربات اور مشاہدات کے متعلق اپنا ردِّ عمل پیش کرنے کے قدرتی حق سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔جی ہاں کسی حالت میں بھی نہیں۔کیونکہ اِس حق سے دست بردار ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی واقعہ کسی تجربہ کسی مشاہدہ یا کسی حادثہ سے طبیعت میں کوئی ردِّ عمل پیدا نہیں ہوُا اور یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ کو ازلی اور ابدی لعنتوں کا مستحق سمجھنا

آپ کے شاعر کے عقائد میں داخل ہے۔

اِس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ زخم تو لگائے مگر "ہائے ہائے" پر پہرہ بٹھائے۔ مارے مگر چیخنے کی اجازت نہ دے یا اگر خوش قسمتی سے کسی کے دِل میں ہنسی اُٹھ رہی ہو تو اُسے ہنسنے مسکرانے سے منع کرے۔ اِس قسم کی بندشیں غیر فطری اور ناقابلِ عمل ہوا کرتی ہیں۔ اور شاعر کو خالق نے اِس قسم کی بندشوں سے آزاد پیدا کیا ہے۔

کبھی کبھار ایسا اتفاق بھی ہوا ہے حالانکہ ایسے اتفاقات کو خوشگوار حادثات ہی کہنا چاہیئے کہ کسی موضوع پر کہیں بیٹھ کر اور فراغت سے لکھنے کا موقع مل گیا اس کے نتیجے میں "مثنوی چور راجہ" "آثارِ قیامت"، "لیڈر کی چال" "مناجات" یا "پبلشر سوچتا ہے"، جیسی نظمیں ہوگئیں۔ مگر ان سب نظموں کی روح اور تارِ حیات ایک ہی ہے اور وہ ہے ماحول کا تاثر۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں ہر وقت روتا ہی رہتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ خدا نے مجھے صرف رونے کے لیے پیدا کیا ہے۔ کمزور رمضانی مار کھانے کی نشانی قسم کا آدمی نہیں ہوں میں خوش باش اور بھرپور قہقہوں سے محبت کرنے والا انسان ہوں۔ ہاں جب کبھی کوئی بھڑ ناک پر آ بیٹھتی ہے یا کسی چھری کو گردن پر چلتا ہوا محسوس کرتا ہوں تو ایک لحظہ کے لیے تلملا اٹھتا ہوں اور بس۔ اور جس موضوع پر اشعار کے ذریعے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہوں اس کے بعد اُن موضوعات کے ہیرو اور میرو ڈنوں سے گویا میری

صلح ہو جاتی ہے۔ اور میں انہیں ہمیشہ نیکی سے یاد کرتا ہوں۔ اسی لیے عرض کیا ہے۔

تخلیق کی حرارتِ پیہم کے فیض نے،
پتھر بنا دیا کہیں گوہر بنا دیا،
اے دوست دشمنی کا تری لاکھ شکریہ
مجھ کو تیرے ستم نے سخنور بنا دیا

جن لوگوں کا کردار یا جن کی گفتار میری نظموں کے محرکات بنتے ہیں اور جن کے لیے میں نے اپنے موضوعات کے ہیرو اور ہیروئنوں کے الفاظ استعمال کیے ہیں اُن کے متعلق میری روش دراصل کیا ہے اس راز پر سے بھی پردہ اُٹھا دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ کسی اشتہاری حکیم یا کسی والئی ریاست کے طبیبِ خاص کی طرح اپنا کوئی نسخہ چھپا کر نہیں رکھوں گا۔ اس امر کی وضاحت کے لیے ایک چھوٹی سی مثال سنیئے۔

محلے کا ایک پگلا اس خدمت پر مامور تھا کہ جب کسی مردے کو قبرستان پہنچایا جائے تو وہ جنازے کے ساتھ جائے اور لوٹتے ہوئے مُردے کی چارپائی لا کر مسجد میں پہنچائے۔ اس خدمت کے عوض اُسے کبھی ایک دوّنی ملتی تھی اور کبھی ایک چونی۔ چارپائی بڑی ہو تو چونی اور چھوٹی ہو تو دونی۔ ایک دن محلے میں عید کا میلہ لگ رہا تھا لوگ زرق برق کپڑے پہنے خوش خوش گھومتے پھرتے تھے اور پگلا ایک اونچی جگہ پر علیحدہ بیٹھا ہنسے جا رہا تھا۔ کسی نے پوچھا۔



اکبر لاہوری

دیوانے کس بات پر ہنستے ہو۔ لوگوں کی بھیڑ کی طرف انگلی سے اشارہ کرکے بولا۔ یہ سب میری دو نیاں چونیاں ہیں۔ جو ہولے ہولے میری جیب کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ دُنیا میں کوئی اتنا سربلند اور اکڑا ہوا ہو کہ اپنے سر کو آسمان کی بلندی تک لے جانا چاہتا ہو یا اتنا قوی جثہ ہو کہ پاؤں زمین پر مار مار کر زمین کے دل کو ہلا دینے کی فکر میں ہو۔ شاعر اور ادیب اُن کی ان حرکات پر دل ہی دل میں ہنستا ہے۔ کہ یہ شخص نادانستہ طور پر میرے لیے موضوعات کا انتظام کر رہا ہے۔ اقتدار و قوت کے مالک ادیب اور شاعر کو خواہ کتنا ہی حقیر سمجھیں اُس پگلے کی نظر میں وہ دونیاں چونیاں ہی تو ہیں۔

ریاست اور امارت کا جنہیں دعویٰ ہو وہ سُن لیں
ریاست ایک وہ بھی ہے جو ہے اونچے خیالوں کی !!
زمین کے ہاتھیوں کو چیونٹی کا پَر سمجھتے ہیں
بڑی اونچی نظر ہے آسمان پر اڑنے والوں کی

ایک بات خدا لگتی کہوں معاشرے کو چاہیئے کہ ادیب کی کوششوں کو اس نظر سے دیکھے کہ وہ سب کوششیں اس کی خاطر ہیں۔ خواہ معاشرے اور ادیب میں کوئی محسوس و مرئی تعلق نہ ہو۔ آخر آپ نامعلوم سپاہی کی یادگار پر بھی تو پھول چڑھاتے ہیں اسی طرح جب کوئی نامعلوم اور ناواقف شخص آپ کے دُکھ سے دُکھی ہو اور آپ کی خوشی پر خوشی کا اظہار کرے تو آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ آپ میں سے ہے اور آپ کی توجہ کا مستحق ہے۔ مثلاً اس نے آپ کی گردن توڑ مہنگائی کے متعلق یوں

لکھا ہے۔

زندگی کا غم تھا بے چارے پہ اک بارِ عظیم
خودکشی کے واسطے لینے گیا تولہ افیم
جب سُنا بازار کا بھاؤ کلیجہ پھٹ گیا
کس قدر مہنگا سفر تھا اور سستا کٹ گیا

اسی ضمن میں ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

کفن کی قیمت سُنیں گے مردے تو اس صدمے سے جی اٹھیں گے
جنازہ اُٹھے گا اب کسی کا نہ اب کسی کا مزار ہوگا

اور اگر آپ معاملے کے اس پہلو کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو یقین جانیے کہ شاعر کو اس کے پروردگا نے تسکین کا کافی سامان بخش رکھا ہے

خوش ہوں اپنے شعر سے اس کا نہیں ہوں منتظر
داد ملتی ہے الفؔ بےؔ سے کہ سینؔ و شینؔ سے
مبدءِ فیاض سے مجھ کو نہیں کوئی گلہ
شاد ہوں مسرور ہوں اکبؔر مئے تسکین سے

مطمئن رہیں کہ شاعر کو آپ سے کبھی کوئی گلہ شکوہ نہ ہوگا کیونکہ ایک بہت بڑا شاعر پہلے ہی کہہ چکا ہے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے

ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا

بعض شعر ایسے بھی ہیں جن کی تہہ میں نہ دوستی ہے نہ دشمنی ۔ صرف حقیقتِ حال کا اظہار مقصود ہے مثلاً اس کتاب میں آپ ایک منفرد شعر پائیں گے بعنوان "گُٹھلی"

یہ تو ارشاد ہوا صبر کا پھل میٹھا ہے

یہ نہ فرمایا کہ ہے صبر کے پھل میں گُٹھلی

اسی ایک مثال سے چاہتا ہوں کہ یہ بات بخوبی واضح رائے عالی ہو جائے کہ اس مجموعے کا ایک ایک شعر، ایک ایک مصرع ایک ایک لفظ، ایک ایک شوشہ، ایک ایک نقطہ لکھنے والے کے دل سے نکلا ہے ۔ اور اُس کی ان سب پر اس طرح نظر ہے کہ جس طرح گڈریے کی نظر ریوڑ کے سب سے بڑے مینڈھے اور رات کو پیدا ہونے والے لیلے پر یکساں ہوتی ہے ۔

آپ اس مجموعے میں کسی مشہور و معروف ادیب، کسی جلیل القدر صاحبِ فن یا کسی ملک الشعراء کا لکھا ہوا تعارف نہیں پائیں گے ۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھے کسی مشہور و معروف ادیب کسی جلیل القدر صاحبِ فن یا کسی ملک الشعراء سے اتنا گہرا تعارف حاصل نہیں کہ مَیں انہیں بے تکلّف تعارف لکھنے کی تکلیف دے سکوں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو کوئی میری کتاب پڑھے میری کتاب براہ راست

اس تک پہنچے کسی کی معرفت نہ پہنچے اور نہ کوئی صاحب آپ سے میری سفارش کریں کہ اور نہیں تو ہماری خاطر ہی سے ازراہِ کرم اس کتاب کو پڑھ لیجیے اور خدا کے لیے ایک آدھ شعر پر داد بھی عنایت فرمائیے۔ تیسری اور آخری وجہ یہ ہے کہ میں کسی ادیب کی طبیعت پر اپنے کلام کی داد دینے کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا کیونکہ عرض کیا ہے۔

لے جائے جو قسمت کسی سرکار کے آگے
سمجھو کہ گیا مال خریدار کے آگے
لے سکتا نہیں بھیک بھکاری سے بھکاری
چلتی نہیں فنکار کی فنکار کے آگے

اتنی سمع خراشی کی بھی معافی چاہتا ہوں اب خیالِ مبارک میں آئے تو کتاب ملاحظہ فرمالیجئے اور اگر ملاحظہ فرمالیجئے تو از برائے خدا اتنا بتا دیجئے۔

تم جن کی ثنا کرتے ہو کیا بات ہے اُن کی
میری بھی طرف دیکھئے اے یار بھلا میں!

ہائے آج نہ ہوئے میرے اُستاد شمس العلماء علّامہ تاجور نجیب آبادی جنہوں نے اپنے "شاہکار" میں "مردم دیدہ" کے سلسلے میں ایک مضمون چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں کے متعلق لکھا اور اگلے شمارے میں اتنا ہی بڑا مضمون

چودھری محمد اکبر خاں پر بھی رقم فرمایا۔

شعر میں ناتمام ہے حالیؒ

غزل اس کی بنائے گا اب کون!

۳جون ۱۹۷۵ء

اکبر لاہوری

مُصنّف کا نوٹ

ایک ظریف نے (بلکہ باالفاظ صحیح تر ایک ظریفہ نے) صلاح دی ہے کہ ہر نظم کے ساتھ وہ واقعہ بھی درج کتاب ہونا چاہیے جو اُس نظم کا محرک ہُوا۔ مگر اس طرح نظموں کے اس مجموعہ کے خواہ نخواہ نثر سے بوجھل ہونے کا خدشہ ہے بہر کیف چونکہ ظریفہ کی خاطر منظور ہے اس لیے طے یہ ہوا ہے کہ ہر نظم یا قطعہ کا پس منظر کم از کم الفاظ میں فُٹ نوٹ کی صورت میں بیان کر دیا جائے۔ اور جہاں اس کی ضرورت نہ ہو وہاں کچھ نہ لکھا جائے۔

"موجِ تبسّم" کو وقت کے بہترین خطاط جناب محمد صدیق الماسؔ رقم نے اپنے قلم سے لکھنے اور اپنے خرچ پر طبع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ موت نے انہیں مہلت نہ دی۔ مجھ پر اِس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ میں کتاب کو کسی بھی شکل میں چھاپنے اور اس کی کیسی بھی کتابت کرانے پر تیار ہو گیا۔ اگر قوم نے میری اس ناچیز ادبی کاوش کو درخورِ اعتنا سمجھا تو اگلے ایڈیشن میں اِس امر کا تشفی ثبوت مہیا کر دونگا کہ میری آنکھ حُسنِ کتابت اور طبیعت احساسِ جمال کے فیوض سے بے بہرہ نہیں۔ اسوقت یہی خیال دامنگیر ہے کہ کل کلاں کو لوگ یہ نہ کہیں کہ اکبرؔ لاہوری جو ہر مشاعرے اور ہر تنقیدی مجلس میں دردِ سر بنا رہتا تھا خود چار سطریں بھی کتابی صورت میں چھوڑ کر نہ گیا۔

انتساب

اپنا یہ مجموعۂ کلام اپنے عالی مرتبہ اُستادِ فن شمس العلماء

علامہ حضرت احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی مرحوم و مغفور

کی مقدس یاد سے منسوب کرنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا

ہوں جن کی انمول توجہات کے طفیل اس ہیچمدان پنجابی کو

جلیل القدر اُردو زبان میں ظریفانہ شعر کہنے کی جرأت ہوئی۔

(اکبر لاہوری)

*

اللہ میاں کا جنازہ

کہا تنگ آکر یہ حاسد نے اکبرؔ
ٹھکانا بھی ہے تیرے بخت جواں کا
نہ تیری جبیں پر ہے چینِ تاسف
نہ لب پر ترے ذکر سود و زیاں کا
کبھی جو ہوئی تری تدبیر اُلٹی
موافق ہوا تیرے دَور آسماں کا
ترا رِزق کہتے ہیں عاشق ہے تجھ پر
نہ اندیشہ دیکھا تجھے آب و ناں کا
کہا مَیں نے اِک دِن دعا مانگ بھائی
جنازہ نکل جائے اللہ میاں کا

خطا کِس سے نہیں ہوتی؟ مجھ سے بھی خطائیں ہوئیں اور مجھے ان خطاؤں پر افسوس ہونے کی بجائے فخر ہے کیونکہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ میں انسان ہوں

اور یہی میرا سب سے بڑا شرف ہے۔ مگر حاسد حیران ہیں کہ میں ہر خطا کے بعد تباہ کیوں نہیں ہو گیا اور اس تعجب کا اظہار وہ برملا کرتے ہیں۔ اُن کی تسکین قلب کے لیے انہیں ایک دُعا سکھاتا ہوں۔ شاید اسی کے وِرد سے اُن کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔

مری خطا کو ضرورت ہے عفو بے حد کی
کہ جو گناہ ہے میرا گناہ اکبر ہے

محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک پر

موجِ تبسم

خدمتِ شاہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے یارانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
طشت میں بھر کے کوئی تازہ کھجوریں لایا
خوانِ نعمت پہ ادھر چاند ستارے بیٹھے
ذہن اصحاب میں اک شغل ظرافت، آیا
گٹھلیاں رکھتے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سارے
ڈھیر سا لگ گیا تو ایک نے یوں فرمایا
کون پیٹو ہے بتاؤ تو بھری محفل میں
جس نے ہے آج کے دن سب سے زیادہ کھایا
دُرِ دنداں سے وہیں پھوٹی تبسم کی کرن
اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ یوں فرمایا
"جن کے آگے نظر آتی نہیں اک گٹھلی بھی
وہی پیٹو ہیں بتاؤ تو سمجھ میں آیا"

یا الٰہ العالمین

ایشیا والوں کو فرما   یا الٰہ العالمین
اس جہاں کا بادشاہ تو ہے کہ یہ افرنگ ہے
کھول دے ہم پر بھی یا اپنے جہاں کی وسعتیں
یا ہمیں کہہ دے کہ ہم پر تیری دُنیا تنگ ہے،
غیر کے ہاتھوں میں تیری سلطنت کا انتظام
تیرے بندوں کے لیے جینے کا کوئی ڈھنگ ہے؟

خُدا کا شکر

(پولیس کے حوالے سے)

پولیس جو پیٹے تو کرو شُکر خُدا کا
ٹانگوں سے گھسیٹے تو کرو شُکر خُدا کا
پسلی کوئی ٹوٹے تو کرو شُکر خُدا کا
نکسیر جو پھُوٹے تو کرو شُکر خُدا کا

ہاں شرط یہ ہے بعد میں چالان نہ کر دے
اور جیل میں پہنچانے کا سامان نہ کر دے

حشر

یہ کتابوں میں لکھا ہے کہ کرے یا نہ کرے
وہ مرے گا جو رہے گا کسی مغضوب کے ساتھ
موت ظاہر ہے اِسی قوم کے ساتھ آتی ہے
حشر ہو جائے الٰہی تیرے محبوب کے ساتھ

پُر لطف عبادت

جس بندۂ خدا کو دُعا سے نہیں غرض
اُس بندۂ خدا کی عبادت سے دُور بھاگ
ہوتی ہے جب دُعا زن و فرزند کے لیے
بنتی ہے ہر فغانِ دعا بندگی کا راگ
طاعت میں اس گھڑی ہے می وانگیں کا لُطف
طاعت میں جس گھڑی ہو می وانگیں کی لاگ

یا حسینؑ

نامِ علیؑ کا ورد ہو لڑنا ہو گر کفّار سے
ہے خوب واقف کفر جن کی تیغِ جوہر دار سے
لیکن حسینؑ ابنِ علیؑ کا نام تو میدان میں
گر سامنا ہو دوستو اسلام کے غدّار سے

سائیس

جلوسِ ذوالجناح کے ساتھ تھا اکبرؔ بچشمِ تر
یہ منظر اور اس پر طیش اک مردِ نمازی کا
کہا شیعوں کی اس تقریب میں کیا کام ہے تیرا
طریقہ اور بھی ہے ماتمِ مردانِ غازی کا
کہا اکبرؔ نے حضرت آپ نے سمجھا نہیں شاید
ڈیوٹی پر ہوں اور سائیس ہوں اس اسپِ تازی کا

میرے تیر

کماں ہے ہاتھ میں اور تیر میں چلاتا ہوں
چلا چلا کے شکاری کا گیت گاتا ہوں
نکالتا ہوں میں یہ تیر دل کے ترکش سے
جو اس میں جمع ہوئے ہیں کرم سے کس کس کے
کوئی نشانہ نہیں ہے نگاہ میں میری
خلش مجھے تو مٹانی ہے ترکشِ دل کی
صبا کسی کو اگر تیر یہ لگاتی ہے
تو آہ اُس کے لبوں سے نکل ہی جاتی ہے
مگر جو اِن کے نشانے سے بچ نکلتے ہیں
سمجھ کے پھول انہیں پاؤں میں مسلتے ہیں

آنکھ کا شہتیر

دوسروں کی آنکھ کے تنکے نظر آئے بہت
لے میری جاں آج اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھ
کاغذی پھولوں کی آرائش تو اکثر دیکھ لی
شعر کے میدان میں چلتی ہوئی شمشیر دیکھ
اضطراب و افتراق و جور کی جنگاہ میں
کی ہے شاعر نے سکونِ قلب کی تدبیر دیکھ
پھول کے بوٹے سے کلیوں کی جگہ کانٹے رلے
صحنِ گلشن میں میرے صیاد کی تقدیر دیکھ
رونے والوں کی فغاں سے کان تو مانوس ہیں
اور کبھی ہنستے بھی ہیں صیاد پر نخچیر دیکھ!
جو سمجھتے تھے کہ دُودِ آہ ہے موجِ ہوا
اُن چمن زادوں کے حق میں آہ کی تاثیر دیکھ
تو نے اکبر کا تڑپنا تو کبھی دیکھا نہیں
شعر میں اُس کے تڑپنے کی مگر تصویر دیکھ

میری تقریر

دوستو سامنے آؤ کہ مَیں تقریر کروں
میری محفل کو سجاؤ کہ مَیں تقریر کروں
حوصلہ میرا بڑھاؤ کہ مَیں تقریر کروں
نعرے دو چار لگاؤ کہ مَیں تقریر کروں
کاش الفاظ مرے اُن کے مکاں تک پہنچیں
ٹیپ ریکارڈ منگاؤ کہ مَیں تقریر کروں
بولتے بولتے بیکار گلا بیٹھ گیا
اُن کو محفل میں بلاؤ کہ مَیں تقریر کروں
طبلہ بجتا نہیں یارو کبھی آٹے کے بغیر
نوٹ مُٹھی میں تھماؤ کہ مَیں تقریر کروں

سرکس

بندر ناچے، بھالو ناچے

ناچیں ساری رین

چلو جی سرکس آیا

سر پر جب چابک لہرائے

لوٹے دِل کا چَین

چلو جی سرکس آیا

لونڈا ناچے۔ لیڈی ناچے

مٹّی کے سب فوجی ناچے

خُوب لگی ہے لَین

چلو جی سرکس آیا

سر پر جب چابک لہرائے

لُوٹے دل کا چین

چلو جی سرکس آیا

طبلہ اور سارنگی ناچے

بین سُنائے بین
چلو جی سرکس آیا
سر پر جب چابک لہرائے
ٹوٹے دِل کا چین
چلو جی سرکس آیا
اَوروں کی گت پر جو ناچے
بھیگے اُن کے نین
چلو جی سرکس آیا
سر پر جب چابک لہرائے
ٹوٹے دل کا چین
چلو جی سرکس آیا

اپنا اپنا حصّہ

ہر ایک کا حصّہ ہے لیڈر کی وراثت میں
ہر آنکھ جبھی تر ہے مرحوم کی فرقت میں
بیٹے کو ملی کوٹھی، ساتھی کو مِلا عُہدہ
خوش ہو کے لیا سب نے جو جس کی ہے قسمت میں
اور قوم کے حِصّے میں تھوڑا سا کھپاؤ ہے
یا ایک رکابی میں چہلم کا پلاؤ ہے

ایک بڑے لیڈر کی وفات کا ردِ عمل مختلف لوگوں پر مختلف ہُوا۔ ساتھی بڑے ذوق شوق سے اُن کی جگہ لینے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے بڑے صاحبزادے کے پژمردہ چہرے پر اس خیال سے رونق آگئی کہ اب کوٹھی کا مالک میں ہوں گا۔ ہاں قوم کے اندر کسی قدر کشیدگی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔

اپنی اپنی گداگری

غالب نے یوں نہ چھوڑی گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے
اکبرؔ نے کی ہے ایسے گدائی میں دل لگی
کشکول لے کے پہنچے گداؤں کے سامنے

*

یہ گدھا

سختیاں زندگی کی سہتا ہے　　موجِ طوفاں کے ساتھ بہتا ہے
آپ مرتا ہے رنج سہتا ہے　　اور تمہیں زندہ باد کہتا ہے
لیڈرو تم بھی ہوش میں آؤ
ہر گھڑی اس گدھے کے گن گاؤ

کس قدر ہے یہ تابع فرمان　　گھر کے سب لوگ اس پہ ہیں حیران
کہیں سُن لے تمہارا گر اعلان　　اُس کو سمجھے نوشتۂ قرآن
لیڈرو تم بھی ہوش میں آؤ
ہر گھڑی اس گدھے کے گُن گاؤ

عام طور پر اور الیکشن کے زمانے میں خاص طور پر دیکھا گیا ہے کہ لیڈروں کے حامی نتھنے پھلاتے، آستینیں چڑھاتے، منہ سے جھاگ اڑاتے، دوکانوں کے تھڑوں اور فٹ پاتھوں پر مصروفِ تکرار ہیں اور جن کے لیے یہ بہادر اپنی جان ہلکان کر رہے ہوتے ہیں وہ مزے سے اپنے حریفوں کے گلے ملتے ضیافتیں اڑاتے اور برج کھیلتے رہتے ہیں لیڈروں پر اپنے ان حواس باختہ حمایتوں کے جوش و خروش کی پرچھائیں بھی نہیں پڑتی۔ آج تک ان گدھوں کے متعلق کسی نے پیار کا ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ یہ سعادت مجھے نصیب ہوئی ہے الحمد اللہ

اس کو جانا نہیں سفارت پر — یا پہنچنا نہیں وزارت پر
آنکھ اس کی نہیں امارت پر — دانت اس کا نہیں صدارت پر

لیڈرو تم بھی ہوش میں آؤ
ہر گھڑی اس گدھے کے گُن گاؤ

اس کو یوں سختیوں نے گھیرا ہے — ہر طرف ایک حشر برپا ہے
کہیں روٹی ہے اور نہ کپڑا ہے — تم جو کہہ دو تو پھر "سب اچھا ہے"

لیڈرو تم بھی ہوش میں آؤ
ہر گھڑی اس گدھے کے گُن گاؤ

یہ تمہارے وقار پر لٹّو — چین پاتا نہیں کسی پہلو
اس سے "ڈھینچوں" ہے اس سے ہے "تُو تُو" — اور سمجھتے ہو تم اسے بُدّھو

لیڈرو تم بھی ہوش میں آؤ
ہر گھڑی اس گدھے کے گُن گاؤ

جب سے اس پر تمہارا سایہ ہے — چین اس کو بہت کم آیا ہے
کیا کہیں تم سے کیا گنوایا ہے — کھو کے سب کچھ تمہیں کو پایا ہے

لیڈرو تم بھی ہوش میں آؤ
ہر گھڑی اس گدھے کے گُن گاؤ

دُنبے کا پیغامِ عید

عیدِ قرباں پر دیا دُنبے نے دُنیا کو پیام
دل کے کانوں سے سُنیں بھیجا گیا ہے جن کے نام
جب چھُری قصاب کی آئی نظر مرحوم کو
اور دیکھا خوں بہانے کا مکمل انتظام
دیکھ کر حسرت سے اس بدلے ہوئے ماحول کو
یوں ہوا گویا کہ سُن اے شاعرِ ذی احترام
یہ سُنا دے جا کے اُن افراد اور اقوام کو
کھا رہے ہیں جو دیا غیروں کا ہو کر شاد کام
میری بھی اس گھر میں گذری تھی بڑے آرام سے
بارشِ لطف و کرم ہوتی تھی مجھ پر صبح و شام
گھاس کی چارے کی اور دانے کی یہ بہتات تھی
کھاتے کھاتے رہنے لگتا تھا مجھے اکثر زکام
پھیرتے تھے ہاتھ میری پیٹھ پر خورد و کلاں
لطف سے معمور ہو جاتے تھے میرے ہاڑ چام

مہربانی کی فراوانی سے یہ موٹا ہوا
بے سہارے مجھ کو مشکل ہوگیا چلنا دوگام
آخرِ کار آج کے دن مجھ پہ یہ عقدہ کھُلا
آج کے دن کے لیئے ہوتا تھا سارا اہتمام
دوست فارغ ہو چکیں کھا کھا کے جب میرے کباب
اس گھڑی کہنا کہ سُن لو اے گروہِ خاص و عام
تم کو موٹا کر رہی ہیں آج جو اقوامِ غیر
اور لنڈھاتی ہیں تمہارے واسطے عشرت کے جام
مَنّ و سلوا جو دیئے جاتی ہیں بن مانگے تمہیں
سیم و زر کے طشت لے کر جمع ہیں بالائے بام
میرے مالک کے ارادوں سے نہیں ہیں مختلف
ان کے در پردہ ارادے ان کے نامعلوم کام
وقت سے پہلے ہی پہلے سیکھ لیں کوئی سبق
تاکہ دنبے کی طرح ان کا نہ ہو قصّہ تمام
جس جہانِ رنگ و بو پر اس قدر ریجھے ہو تم
اُس جہانِ رنگ و بو کو آخری میرا سلام

ختم

سازش؟

دیس میں اللہ کی دھرتی بچھی ہے بے کراں
باغ ہیں پھل سے لدے لہرا رہی ہیں کھیتیاں
رات دِن شغلِ کشا ورزی میں ہیں پیر و جواں
خوردنی اجناس کے توڑے کا چرچا ۔ الاماں!
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

ہم نے تعدادی تفوق ہی سے جیتا تھا وطن
دیکھ کر خوش تھے کہ گنتی میں ہیں اتنے مرد و زن
غیر کی آنکھوں کا کانٹا تھا مسلماں کا چمن
ہر نئے بچے پہ اب پڑتے ہیں ماتھے پر شکن
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

کالجوں کی اکثریت کو کیا جاتا ہے فیل
یونیورسٹی کھیلتی ہے کُھل کے بے عِلمی کا کھیل
شعبۂ تالیف میں رہتی ہے. زر کی ریل پیل
فکر ہے بس یہ کہ ڈالیں طالب علموں کے نکیل
اور اکبر سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

مولوی صاحب زمیں کی بات کرتے ہی نہیں
وعظ کا موضوع ہوتا ہے فقط عرشِ بریں
اس کو کہتے ہیں فرشتہ اس کو کہتے ہیں لعین
جہل میں الجھائے رکھتے ہیں مسلماں کے تئیں
اور اکبر سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

فیس بن اک بات کرتا ہی نہیں ہم سے وکیل
اور الیکشن کے زمانے میں یہی ابن السبیل
پیش کرتا ہے ہمارے سامنے سو سو دلیل
ہم کو کہتا ہے جناب اور ہم سے کرتا ہے اپیل
اور اکبر سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

اشتراکیت کے پیرو ہوں کہ ہوں سرمایہ دار
اہلِ مذہب ہوں کہ ہوں دانش ورِ کیواں شکار
بن کے تاجر ہو گئے ہیں ایک کشتی میں سوار
"نرخ بالا کُن" کے نعرے لگ رہے ہیں بار بار
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

مغربی تہذیب ہے معیار خاص و عام کا
کہتے ہیں "دیں" کا ہوا تو آدمی کس کام کا
ذکر و زنِ بیت کی خاطر خدا کے نام کا
بیٹھتے اُٹھتے مگر ہے تذکرہ اسلام کا
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

قتل کے الزام ہیں اُن پر اگرچہ بے حساب
کر چکی ہیں ان گنت مردوں کا وہ خانہ خراب
اُن کے دل پتھر ہیں اُن کی فطرتیں یکسر عذاب
دے دیا ہے عورتوں کو صنفِ نازک کا خطاب
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

ہو گیا مردِ صحافت کا اُدھر بیڑا تباہ
ہر روش پر "اللہ اللہ"، ہر قدم پر "واہ واہ"
ہو رہا ہے ظالم و مظلوم سے یکساں نباہ
قوم کا آتا ہے لب پر نام لیکن گاہ گاہ
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

ٹوٹتے ہیں داد خواہوں پر مصیبت سے پہاڑ
جن کی اک جانب سمندر دوسری جانب اُجاڑ
پڑ گئی قانون کی دیوار میں ایسی دراڑ
گھورتی ہے لال آنکھوں سے ہری کھیتی کو باڑ
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

فائلیں جو تڑ کے نیچے اور پاؤں میز پر
سائلوں پر گر کبھی پڑتی ہے تو ترچھی نظر
پوچھتا کوئی نہیں بابو سے بستے کی خبر
اور منوں مٹی پڑی ہے دفتری احکام پر
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

کہہ چکی ہے قوم ساری نیکیوں کو خیر باد
ہر گلی میں شور برپا اور ہر گھر میں فساد
ایک کرتا ہے بدی اور دوسرا کرتا ہے صاد
اور رہ رہ کے اُٹھتی ہے صدائے "زندہ باد"
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

درد سے چلّاؤ یا فرطِ الم سے چُپ رہو
ایک نشہ سا چڑھا گویا ہے پوری قوم کو
ٹوکتا کوئی نہیں ہے ملک میں جو ہو سو ہو
آدمی خاموش ہیں، اور بک رہا ہے ریڈیو
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

شاعروں کے شعر سُن کر پیٹتے ہیں تالیاں
خواہ ہوں پتلون والے خواہ بُرقعے والیاں
مُردہ شاعر کی لحد پر ہوتی ہیں قوالیاں
اور زندہ شاعروں کو دے رہے ہیں گالیاں
اور اکبرؔ سوچتا ہے یہ کوئی سازش نہ ہو

تماشا

خورشید ہویدا ہوتا ہے — ہر سمت اُجالا ہوتا ہے
انوار کا جلوہ ہوتا ہے — اس پر بھی اندھیرا ہوتا ہے
یہ روز تماشا ہوتا ہے

تکلیف بتائی جاتی ہے — تقریر سُنائی جاتی ہے
تشویش بڑھائی جاتی ہے — تدبیر کا اِخفا ہوتا ہے
یہ روز تماشا ہوتا ہے

جب کٹتا ہے مظلوم کا سر — جب لُٹتا ہے مجبور کا گھر
ابلیس کے کالے ہونٹوں پر — فرمان خُدا کا ہوتا ہے
یہ روز تماشا ہوتا ہے

اُٹھتا ہے دھواں کاشانوں سے — اُٹھتی ہے فغاں زندانوں سے
بہتا ہے خوں ارمانوں سے — تہذیب کا چرچا ہوتا ہے
یہ روز تماشا ہوتا ہے

قانون بنائے جاتے ہیں — فرمان سُنائے جاتے ہیں
احکام چلائے جاتے ہیں — تقدیر کا لکھا ہوتا ہے
یہ روز تماشا ہوتا ہے

مکڑی

تاجر کی ہے اس طرح تجارت ۔ جز نفع ہر ایک شے ہے غارت
منڈی میں ہے نت نئی شرارت ۔ آسائشیں بن گئیں بجھارت
مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

افسر کو بس افسری سے رغبت ۔ ہر کام میں لومڑی کی خصلت
اوپر سے سوال ہو تو ذلت ۔ نیچے سے جواب ہو تو وحشت
مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

اُستاد کا یہ اصولِ تدریس ۔ ہر گام پہ ہر موڑ پہ نئی فیس
چالیس وصولیاں ہیں دن تیس ۔ تالیفِ کتب بدستِ ابلیس
مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

لیڈر کی اس آرزو کو دیکھو ۔ لیڈر نہ ہوں ملک میں کہیں دو
ہو اور جہان میں جو کچھ ہو ۔ ہر گھر میں ہو بس اسی کا فوٹو
مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

بڈھا ہے جواں سے گرم گفتار ۔ تقریر چھڑی ہے موسلا دھار
اقوال کا لگ رہا ہے انبار ۔ نادان ہیں کان ہونٹ عیار

مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

موٹر میں دھنسے ہوئے ہیں بدھو
بیٹھے ہوئے گھورتے ہیں ہر سُو
آئی ہے کہیں سے ایک مہ رُو
بدھو کا پکڑ رہی ہے بازو
مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

ہے نام بہت بڑا ادب کا
اس پر تو ہے اتفاق سب کا
وہ گرچہ ادیب ہے غضب کا
لیکن نہیں پارٹی کے ڈھب کا
مکڑی ہے کہ جالا تن رہی ہے

*

میری پیاری امّاں میری جان امّاں

سمجھتی ہو تم مجھ کو نادان امّاں
نحیف و نزار و تن آسان امّاں

مری خامیوں سے پریشان امّاں
مرے غم میں رہتی ہو ہلکان امّاں

میری پیاری امّاں میری جان امّاں

مگر میرے دل میں ہیں جو جو ارادے
اگر ان کی تکمیل مولا دِکھا دے

اگر مجھ کو مہلت زمانہ ذرا دے
تو رہ جاؤ گی سُن کے حیران امّاں

میری پیاری امّاں میری جان امّاں

میرے دل میں تدبیر ہے اک بلا کی
میرے ہاتھ میں آئے کُنجی غذا کی

مرے دانے دانے کو خلقت خُدا کی
میرے کھیت ہوں میرے کھلیان امّاں

میری پیاری امّاں میری جان امّاں

جہاں میں جو ساماں ہے تن ڈھانپنے کا
وہ جوتی ہو ٹوپی ہو یا کوئی کپڑا

کسی اور کے ہاتھ میں ہو نہ اصلا
مری مِل ہو میرا ہی سامان امّاں

میری پیاری امّاں میری جان امّاں

زمانے میں ہیں جو مرض اور وبائیں
ذخیرہ کروں لے کے سب کی دوائیں

مریضوں کی خاطر جو لینے کو آئیں
خطا اُن کے ہو جائیں اوسان امّاں

میری پیاری اماں میری جان اماں

کروں جمع ایسے اہالی موالی
دماغوں سے سر، زر سے ہوں جیب خالی
پلا کر انہیں چائے کی پیالی پیالی
کروں اپنی بخشش کے اعلان اماں

میری پیاری اماں میری جان اماں

سمٹ آئے سب میرے ہاتھوں میں طاقت
چلی آئے میری تجوری میں دولت
مری ہی طرف دیکھیں سب اہلِ حاجت
سبھی ہوں مرے زیرِ فرمان اماں

میری پیاری اماں میری جان اماں

جسے چاہوں فوراً پکڑ کر سزا دوں
جو چاہوں تو باوا کو مرغا بنا دوں
اگر تیری چوٹی کو قینچی دکھا دوں،
تو دیکھے زمانہ مری شان اماں

میری پیاری اماں میری جان اماں

تاجروں کے بیٹوں کا بالعموم حصولِ علم میں جی نہیں لگتا کیونکہ حصولِ علم کوئی منفعت بخش کاروبار نہیں ہے۔ اس لیے نویں سے نکالے ہوئے یا ساتویں سے بھاگے ہوئے ان برخورداروں کی مائیں ان کے مستقبل کے متعلق بڑی فکرمند رہتی ہیں ہونہار سوداگر بچہ اپنی ماں کا غم غلط کیسے کرتا ہے۔ وہ اس نظم کے پڑھنے سے معلوم ہوگا۔



وہ کہتا تھا میں انساں ہوں   یہ کہتا ہے وہ حیواں ہے
اور اِن دونوں کے جھگڑے ہیں   بے چاری گٹھڑی حیراں ہے
میں جو قسمت کی ماری ہوں   میں کس کی ذمہ داری ہوں؟

بے چاری گٹھڑی حیراں ہے!!

بیکار کے جھنڈے گڑتے ہیں   سب میری خاطر لڑتے ہیں
اے کاش کوئی مجھ سے پوچھے   جس پر یہ بجائے پڑتے ہیں
کیا میں گوبھی، ترکاری ہوں؟   میں کس کی ذمہ داری ہوں؟

بے چاری گٹھڑی حیراں ہے!!

جو اَوروں سے بڑھ جائے گا   وہ رستم خاں کہلائے گا
پر مجھ کو کہاں لے جائے گا   یہ پوچھ پوچھ کر ہاری ہوں

میں کس کی ذمہ داری ہوں؟

بے چاری گٹھڑی حیراں ہے!!

گٹھڑی عرف: بیچاری قوم

کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں — اب اس گٹھڑی میں مال نہیں
اور ایسے اٹھائی گیروں کا — میری دنیا میں کال نہیں
میں آدھی ہوں یا ساری ہوں — پر کس کی ذمہ داری ہوں؟
بے چاری گٹھڑی حیراں ہے!!

★

غریب کا عشق

یہ مانا مرے پاس موٹر نہیں ہے — مرے تن پہ سوٹ اور جیسٹر نہیں ہے
مرا یار ڈپٹی کمشنر نہیں ہے — مگر دِل ہے سینے میں پتھر نہیں ہے

مرا عشق کچھ ایسا ویسا نہیں ہے
مگر اِک مرے پاس پیسہ نہیں ہے

نہیں ہار تیرے گلے میں جو ڈالوں — اِدھر آ کہ تجھ کو گلے سے لگا لوں
نہیں شال سردی میں تجھ کو اُڑھالوں — اِدھر آ کہ سینے میں تجھ کو چھپا لوں

مرا عشق کچھ ایسا ویسا نہیں ہے
مگر اِک مرے پاس پیسہ نہیں ہے

مرے سر چھپانے کو اک جھونپڑی ہے — مگر آنکھ تجھ حور سے جا لڑی ہے
محبت کی یہ آزمائش کڑی ہے — ترے ساتھ رہنے کی خواہش بڑی ہے

مرا عشق کچھ ایسا ویسا نہیں ہے
مگر اِک مرے پاس پیسہ نہیں ہے

نہ چھوڑوں کبھی تیرے کوچے میں آنا — بگڑ جائے گو مجھ سے سارا زمانہ
جو چاہے مرے ساتھ تُو بھاگ جانا — ڈرائے نہ تجھ کو کچہری نہ تھانہ

مرا عشق کچھ ایسا ویسا نہیں ہے

مگر اِک مرے پاس پیسہ نہیں ہے

سُنے کوئی ہم سے ہماری کہانی ہوئی جبکہ قابو سے باہر جوانی

کسی کی کوئی بات ہم نے نہ مانی محبت کی کھانسی ہے ہم کو پُرانی

مرا عشق کچھ ایسا ویسا نہیں ہے

مگر اک مرے پاس پیسہ نہیں ہے

چڑیا گھر

ہاتھی بھی ہیں چیتے بھی
ریچھ بھی ہیں اور گینڈے بھی
اژدھے بھی گوریلے بھی
اِک کونے میں شیرِ نر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

ہاتھی ہے چنگھاڑ نہیں
شیر ہے اور دہاڑ نہیں
جنگل اور پہاڑ نہیں
بوتل میں ہے سانپ کا سر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

دیس کا مالک شیر جوان
جس کے سب کھیت اور کھلیان
رنج سہے دن رات کسان
عیش کریں کچھ بازی گر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

فاقوں کا مارا مزدور
کرے خزانوں کو بھرپور
آپ رہے زخموں سے چُور
لوگ کہیں فریاد نہ کر

نام ہے اِس کا چڑیا گھر

گھُٹتے ہیں بیمار و غریب   پلتے ہیں زردار طبیب
واہ ری قسمت واہ نصیب   کِس کو دوا اور کس پہ اثر!
نام ہے اِس کا چڑیا گھر

اہل قلم یا اہلِ کتاب   دونوں کی مٹّی ہے خراب
قوم کا ہے دونوں سے خطاب   امرت بانٹ اور بھوکوں مر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

اہلِ وفا کا حال تباہ   قاتل کی لیتے ہیں پناہ
پوچھتے ہیں رہزن سے راہ   چُنتے ہیں کانٹوں سے ثمر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

باغی پر بارانِ کرم   بندے پر بیداد و ستم
کافر کو سامانِ ارم   مومن کو دوزخ کا ڈر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

جن کو ہے طاقت کا جوش   اُن کی قائم عقل نہ ہوش
آنکھوں والے سب خاموش   نیچے گھوڑا اوپر خر
نام ہے اس کا چڑیا گھر

لاہور میں مال پر جا رہا تھا کہ شیر کے دھاڑنے کی آواز کانوں میں پڑی دل دھک سے رہ گیا۔ مگر فوراً خیال آیا کہ کوئی فکر کی بات نہیں، یہ تو چڑیا گھر کا شیر ہے۔

اے شہنشاہ ذرا سوچ

اے شہنشاہ ذرا سوچ ولایت میں تری
کتنی باتیں ہیں کہ ہوتی ہیں اجازت کے بغیر
صبحدم نورِ جہاں تاب بکھر جاتا ہے
اور ولایت تیری رہ جاتی ہے ظلمت کے بغیر
بزمِ شب روز ہی سجتی ہے ترے بن پوچھے
قافلے دن کے ہیں لدتے تری رخصت کے بغیر
کبھی بے روک چلے آتے ہیں کالے بادل
چھوڑ جاتے ہیں تجھے سخت حرارت کے بغیر
صحنِ گلشن میں ہوا چلتی ہے اِس شوخی سے
گُل کھلے جاتے ہیں اِحساسِ ظرافت کے بغیر
اُگتے ہیں اُگ کے ہی رہتے ہیں زمیں پر بُوٹے
کسی مجبور کشاورز کی محنت کے بغیر
دانہ اُگتا ہے اُدھر پھول سے پھل بنتا ہے
اور پک جاتا ہے پھل اِذنِ حکومت کے بغیر

ہر طرف بارشِ الطاف نظر آتی ہے
کوئی دامن نہیں ایسا کہ ہو نعمت کے بغیر
نغمہ بلبل کو، چٹک غنچے کو، خوشبو گُل کو
نہ رہا کوئی بھی گلشن میں نزاکت کے بغیر
زندگی، حُسن، جوانی و مذاقِ صحبت
نعمتیں اور بھی ہیں تیری عنایت کے بغیر
دلِ شاعر سے اُبلتے ہیں ہزاروں چشمے
اور ہوتے ہیں رواں داد کی حسرت کے بغیر
عشق آزاد ہے اور حُسن ہے اُس کا پابند
دونوں کھُل کھیلتے ہیں خوفِ عقوبت کے بغیر
مانتے ہی نہیں اے شاہ کوئی لاکھ کہے
"اور بھی کام ہیں دُنیا میں محبت کے بغیر"
الغرض شاہ کی مجبور شہنشاہی ہیں،
اتنا کچھ ہوتا ہے اور اذنِ حکومت کے بغیر
اے شہنشاہ ذرا سوچ کہیں یہ تو نہیں
کوئی ذات اور بھی ہے تیری جلالت کے بغیر
جس کے احکام سے باہر نہیں ذرہ ذرہ

کوئی چارہ ہی نہیں جس کی اطاعت کے بغیر
جس کی تقدیر کے آگے نہیں یارائے گریز
جس کی تدبیر سے انساں ہے نصرت کے بغیر
جس کے ایک ایک اشارے پہ عمل ہوتا ہے
کسی دوزخ، کسی برزخ، کسی جنت کے بغیر
تو ہے مجبور جہاں قوت و جبروت کے ساتھ
اور میں بے کس و لاچار ہوں طاقت کے بغیر
ہے ادب شرط بس اس بات پہ اکبرؔ خاموش
کہ یہ نکتہ ہے عیاں زورِ فصاحت کے بغیر

اپنا اپنا زمانہ

حافظؒ کے زمانے میں
کچھ لوگ حماقت سے
پالان گدھے والا
کس دیتے تھے گھوڑے پر
اور جس کی اذیت سے
سنتے ہیں کہ وہ گھوڑا
رہتا تھا مصیبت میں
چلتا تھا تو رُک رُک کر
اکبرؔ کے زمانے کا
دستور نرالا ہے
دیکھا کہ گدھے صاحب
اسوار ہیں گھوڑے پر
اور لطف ہے یہ کوئی
فریاد نہیں سنتا
چابک پہ مگر چابک
ہنٹر پہ مگر ہنٹر!

تم دیر میں مانو گے
ہم نے تو یہ مانا ہے
وُہ اور زمانہ تھا
یہ اور زمانہ ہے

★

اپنا اپنا قاتل

ایک غالبؔ تھے کہ قاتل نے کیا قتل اُن کو
اور کی قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ایک اکبرؔ ہے کہ اُس پر یہی آفت بیتی،
لیکن اس عہد کے قاتل کی ریا سے توبہ
کی مرے قتل کی اخبار میں تردید اُس نے
اور کرا دی میرے احباب سے تائید اُس نے

★

اپنی اپنی سزا

ایک روٹی کے نہ ملنے سے ہُوا مایُوس وُہ
اور ڈھونڈی اپنے ہاتھوں ہی سے مرگ ناگہاں
کل عدالت نے سُنایا اُس کو اپنا فیصلہ
جمع کروا دے خزانے میں وہ نوّے سو روٹیاں
ساتھ ہی اکبرؔ سزا یہ دی ہے مجھ مجنون کو
جج کو فاضل اور اِسلامی کہوں قانون کو

★

عدالت میں ایک شخص پیش ہوا جس کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا کئی فاقے کرڈالے گزر گئے بھوک سے تنگ آ کر اُس نے سنکھیا پھانک لی۔ مگر زندگی باقی تھی بچ گیا۔ عدالت نے خودکشی کے اقدام میں اُسے پچاس روپے جرمانہ کی سزا دی۔ اس پر یہ نظم ہوئی۔

★

عُرس شریف حضرت پیر قرآن شریف کا

وُہ کہتا تھا لوگو خُدا سے ڈرو تم — اُسی کی اطاعت کا بس دم بھرو تم
وہ کہتا تھا دُنیا ہے اِک دارِ فانی — رہے گی یہاں نیکیوں کی نشانی
وہ کہتا تھا معبود ہے ایک سب کا — وہ کہتا تھا مخلوق کُنبہ ہے رب کا
کسی نے جو مخلوق کا دل دُکھایا — تو سمجھو کہ اس نے خُدا کو ستایا
خدا کو ستا کر نہ تم بچ سکو گے — کہو پھر خُدائی میں کس کی رہو گے
یہ دھوکا، یہ چوری، یہ قتل اور ڈاکہ — یہ ہر سرکشی، سامنا ہے خدا کا
یہ بچّوں کی اور ماؤں کی آہ و زاری — کسی روز جڑ کاٹ دے گی تمہاری
مکینوں کا اپنے گھروں سے نکلنا — فلک کی طرف دیکھ کر ہاتھ ملنا
گھروں کے لیے بے گھروں کا ترسنا — زمینوں پہ مینہ آنسوؤں کا برسنا
کسی بے سہارے پہ خنجر کا چلنا — کہیں بے خطا چشمۂ خوں اُبلنا
بھرے گھر میں پٹرول سے آگ لگنا — چتا کی طرح ہڈیوں کا پگھلنا
کسی کی کمائی کو یُوں لُوٹ کھانا — کہ جیسے رہی ہو کچہری نہ تھانہ
یہ سب صورتیں ہیں خدا کے غضب کی — نشانی ہے اک ایک بس قہر رب کی
وہ کہتا تھا ترچھا نہ رکھو ترازو — کہیں کٹ نہ جائیں تمہارے یہ بازو

وہ کہتا تھا پُورا نہ ہو قول جس کا — وہ کہتا تھا سچّا نہ ہو بول جس کا

وہ انسان ہے ڈوب جانے کے لائق — کمانے کے لائق نہ کھانے کے لائق

دغا سے، نہ تم مال اوروں کے کھاؤ — نہ یُوں زندگی مفسِدانہ بتاؤ

وہ کہتا تھا دنیا کو جنّت بنا دو — جو اُجڑی ہے بستی پھر اس کو بسا دو

جو یُوں ہو تو ہر رنج کافور ہو گا — یہی دیس نُورٌ علیٰ نُور ہو گا

وہ کہتا رہا اور ہم نے نہ مانی — ہُوا ہم سے ناراض وہ یارِ جانی

یہ اپنی طرف سے بتایا ہے ہم نے — ہمیں مار ڈالا ہے دنیا کے غم نے

ہمارا نہیں نیکیوں کا زمانہ — یہ نیکی کا دھندا ہے قصّہ پُرانا

یہ سُنتے ہی ہم سے وُہ چُپ ہو گیا ہے — بظاہر وہ تھک ہار کر سو گیا ہے

کسی سے نہیں بولتا اب وُہ پیارا — وُہ آنکھوں کا تارا وہ دل کا سہارا

چھپا بیٹھا ہے ایک حجُرے کے اندر — اُڑھا دی ہے ہم نے اُسے سبز چادر

اگرچہ ہمارا وُہ ہے پیر زندہ — مگر اب مناتے ہیں ہم عُرس اس کا

مریدوں میں بٹتا ہے زردہ پلاؤ — صدا آرہی ہے کہ "سب مِل کے کھاؤ"

کھڑے پہرہ دیتے ہیں اپنے پرائے — کہ مرشد کی سرکار جانے نہ پائے

لگے ہیں ہر اک سمت ہاروں کے گُچھے — لگے ہیں کناروں سے مرشد کے کُتّے

مُغنّی کی اُٹھتی ہیں میٹھی صدائیں — پلا ساقیا تیرے قربان جائیں

سمجھتے ہیں مفتی تو کہتے ہیں قاضی — کہ شاید اِسی طرح ہو جائے راضی

وہ قرآن وہ پیر و مرشد ہمارا — وُہ دِل کا سہارا وہ آنکھوں کا تارا

اندھے

اپنی منزل کے رہبرِ کامل — اپنے پیشے کے جوہرِ قابل
اِک زمانہ ہے آپ کا قائل — علم کی بات ہو تو بس جاہل
یوں سمجھئے کہ آپ اندھے ہیں

گرچہ حاصل ہے آپ کو عزت — قابلِ فخر آپ کی صحبت
سر پہ طُرّہ ہے ہاتھ میں طاقت — بات غیرت کی ہو تو بے غیرت
یوں سمجھئے کہ آپ اندھے ہیں

آپ کی مِل سے اُٹھ رہی ہے فغاں — چمنیوں سے نکل رہا ہے دھواں
پس رہے ہیں ستم سے پیر و جواں — بات انساں کی ہو تو بس حیواں
یوں سمجھئے کہ آپ اندھے ہیں

حُبِّ قومی کا چل گیا جادو — قوم کی قوم جاگ اُٹھی ہر سو
ایک بدلا نہ آپ نے پہلو — قوم کی بات ہو تو بس ز ٔنچھوُ
یوں سمجھئے کہ آپ اندھے ہیں

شاعری کے ہیں تذکرے گھر گھر حُسن کی داد پا چکا ہے ہُنر
شاعروں پر فدا ہیں اہلِ نظر شعر کی بات ہو تو بس پتھر
یوں سمجھئے کہ آپ اندھے ہیں

★

بھیڑ بکریوں کی عید

کمینو ہمیں بھیڑ بکری نہ سمجھو کہ جاگی ہے اس سال قسمت ہماری
ہماری بھی قسمت کو اب پَر لگے ہیں کوئی دو ہزاری کوئی سہ ہزاری
ہمارے بھی ہمدرد پیدا ہوئے ہیں ہمارا بھی نعرہ ہے خود اختیاری
سمجھنا پڑے گا ہمیں ہاتھی گھوڑے چلی یوں اگر قیمتوں کی سواری
ہمیں مخلصی ہو گی قربانیوں سے تو رہ جائے گی صرف گائے بچاری
ہماری تمنا جو مہنگی پڑے گی
چلے گی اسی پر چھُری اور کٹاری

کھلنڈرے

باپ کی ڈاڑھی
ماں کی چوٹی
کھینچ رہے ہیں
نوچ رہے ہیں
اِن الھڑ بچّوں کے باوا
دیکھ رہے ہیں سوچ رہے ہیں
بے چاروں کی عمر ہی کیا ہے
اِن بچّوں کی عمر ہی کیا ہے
کھیل تماشے کا ہے زمانہ
جس کو کوٹ کے پھر نہیں آنا
اِن کو جی خوش کر لینے دو
ان کے بڑوں کو مر لینے دو
وقت آ لینے دو یہی بچّے
رہبر بن جائیں گے وطن کے

ملک کے زخموں سے کھیلیں گے
قوم کی آہوں سے کھیلیں گے

★

میرے وطن میں یکبارگی ہی اکٹھے تین نوعمر صاحبزادے وزارت کی گدیوں پر جا پہنچے۔ تھوڑے ہی دِنوں میں اِن کی حرکات سے وزارت کی تِکّا بوٹی ہو گئی جس طرح بسنت کے موقع پر کنکوّے اور پتنگ لُوٹنے والے لونڈے آپس میں لڑ جھگڑ کر پتنگ ہی پھاڑ دیا کرتے ہیں۔ مگر بعض پُر اُمید بزرگ مطمئن تھے کہ کچھ عرصے کے بعد یہی صاحبزادے وطن کے نامور رہبر بنیں گے اس نظم میں اِن بزرگوں کے خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔

ایک آسودہ حال قوم

انجم لاہوری

کچھ فکر نہیں ہم کو آفاتِ سماوی کا
کچھ خوف نہیں ہم کو اعدائے زمینی کا
اسلام نے بخشی ہے ملت کو توانائی
ہر دل کو سہارا ہے افواجِ مشینی کا
ہر طرح ہے آسودہ یہ قوم مگر اس کو
گھاٹا ہے تو آٹے کا توڑا ہے تو چینی کا

اِسی بِنا پہ مری پارٹی کو ووٹ ملے

خدائے پاک ہے معبود ہم غریبوں کا
رسولِ پاکؐ سہارا ہے بے نصیبوں کا
بڑا مقام ہے اِنسان کے طبیبوں کا،
حسیں کلام ہے اِس قوم کے ادیبوں کا
"اسی بنا پہ مری پارٹی کو ووٹ ملے"

سبق مِلا ہے یہ تاریخ کے حوالوں سے
بنی ہے بات تو مِلّت پہ مٹنے والوں سے
ہماری قوم کی عزت ہے باکمالوں سے
عرُوج ملک کو حاصل ہوا جیالوں سے
"اسی بنا پہ مری پارٹی کو ووٹ ملے"

مرے وطن کی زمیں سی نہیں زمیں کوئی
مرے حسین وطن سا نہیں حسیں کوئی
مرے وطن کے نگیں سا نہیں نگیں کوئی
زمانے بھر میں مرے دیس سا نہیں کوئی
"اسی بنا پہ مری پارٹی کو ووٹ ملے"

مرے وطن کی بہاروں کی بات ہی کیا ہے
مرے وطن کے نظاروں کی بات ہی کیا ہے
نبیؐ کے دین کے پیاروں کی بات ہی کیا ہے
"قرآں" کے تیس سپاروں کی بات ہی کیا ہے
"اسی بنا پہ مری پارٹی کو ووٹ ملے"
دکھایا سوزِ دروں کا اثر شہیدوں نے
کیا وطن کو رگِ جاں سے تر شہیدوں نے
خدا کے نام پر کٹوائے سر شہیدوں نے
بنائے عزم سے جنت میں گھر شہیدوں نے
"اِسی بنا پہ مری پارٹی کو ووٹ ملے"

★

ایلکشن کے زمانے میں کچھ اِسی انداز سے کنویسنگ ہوتا دیکھا۔

بھینس کے آگے بین بجائی

بیل کے آگے باجا

بھینس کے آگے بین بجائی
بیل کے آگے باجا
جیو لاٹ صاحب جی
تم ہو جانوروں کے راجہ
گھوڑا گاڑی، بینڈ سلامی
بیل بہادر گھوڑے نامی
جیو لاٹ صاحب جی
تم ہو جانوروں کے راجہ
جانوروں کی ہے سرداری
مان گئی ہے دھرتی ساری
جیو لاٹ صاحب جی
تم ہو جانوروں کے راجہ

خچر آدے نظر سکتّر
گھوڑا جیسے خاص منسٹر
جیو لاٹ صاحب جی
تم ہو جانوروں کے راجہ
جانوروں کا قومی میلہ
اکبرؔ اس میلے میں اکیلا
جیو لاٹ صاحب جی
تم ہو جانوروں کے راجہ

مال روڈ پر آمنے سامنے دو کھمبوں سے ٹنگا ہوا کپڑے کا ایک طویل و عریض اشتہار نظر پڑا۔ اس پر لکھا تھا "مویشیوں کا قومی میلہ" ان الفاظ سے طبیعت بھر بھرائی۔ حضور لاٹ صاحب بہادر نے میلے کا افتتاح فرمایا۔ بھینس کے آگے بین تو خیر صدیوں سے بجتی رہی ہے۔ مگر بیل کے آگے باجا بجنے نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے۔

سوئچ پیریڈ

سوچو سو...چو

ہم نے کتنے کام کیے ہیں

ہم نے کیا آرام دیئے ہیں

سوچو سو...چو

کتنے ہیں اوصاف ہمارے

جتنے نیل گگن میں تارے

بولو بو...لو

یہ مت سوچو یہ مت...سوچو

ہم کو کیا کیا کچھ کرنا تھا

اور ہم کیا کیا کر نہیں پائے

یہ مت پوچھو یہ مت...سوچو

اس سے سر میں درد اٹھے گا
اس سے پڑیں گے منہ میں چھالے
اس سے لگیں گے زباں پر تالے
یہ مت پوچھو یہ مت...... سوچو

★

تمہاری جے ہو!

عجیب احمق ہمیں بنایا تمہاری جے ہو، تمہاری جے ہو
کسی کے بھیجے میں کچھ نہ آیا تمہاری جے ہو، تمہاری جے ہو
تڑپ رہے ہیں لرز رہے ہیں تمہاری جے جے پکارتے ہیں
عجب ہمیں گاؤدی بنایا تمہاری جے ہو، تمہاری جے ہو
نہ لیفٹ رہنے دیا نہ رائٹ ہر ایک کے سر پہ خاک ڈالی
وہ لیفٹ رائٹ ہمیں کرایا تمہاری جے ہو، تمہاری جے ہو
نہ چور چھوڑا نہ چور بازاری اور نہ چوری کا مال چھوڑا
کیا ہر اک چیز کا صفایا تمہاری جے ہو، تمہاری جے ہو

★

یہ بندہ نہیں قائل

جاہل کی قیادت کا
ظالم کی عبادت کا
تاجر کی محبت کا
بے شرم کی غیرت کا
یہ بندہ نہیں قائل

کاہل کی ریاضت کا
کاذب کی شرافت کا
ناداں کی رفاقت کا
فاسق کی فراست کا
یہ بندہ نہیں قائل

گر جھوٹ میں عزت ہے
تلبیس میں برکت ہے

گر مکر میں راحت ہے
راحت کی ضرورت کا
یہ بندہ نہیں قائل

تُو حق سے گریزاں ہے
تُو زور پہ نازاں ہے
تدبیر فراواں ہے
لیکن تری قسمت کا
یہ بندہ نہیں قائل

اغیار پہ تکیہ ہے
اور اپنوں سے جھگڑا ہے
مانگا ہوا پیسہ ہے
لیکن تیری دولت کا
یہ بندہ نہیں قائل

★

بھوکے کا خواب

(جناب میر نسیم محمود کی نذر جنہوں نے اکبر لاہوری کو ڈویلپمنٹ آفیسر چُنا)

★

میرے دوست کل ہیں نے یہ خواب دیکھا — وزارت ترے ہاتھ میں آگئی ہے
وزارت کی مسند پہ بس بیٹھتے ہی — تو بولا کہاں فوڈ کا سیکرٹری ہے
وہ آیا تو پوچھا ابھی یہ بتاؤ — ہمارے ذخیروں میں کتنی کمی ہے
کمی نوٹ کر کے جو بیٹھے تو دیکھا — کہ دروازے پر گارڈ آکر کھڑی ہے
بُلایا جو انچارج کو تو وُہ بولا — یہاں پر سلامی ہوا چاہتی ہے
کہا اِن جوانوں کو ہل پر لگاؤ — بہت سی زمیں جو ملک میں پڑتی ہے
سلامی سے میرا نہیں پیٹ بھرتا — مجھے فوڈ کے مسئلے کی پڑی ہے
سلامی کی پریڈ کو کر کے ڈسمِس — جو دیکھا تو اک اور موٹر کھڑی ہے
نکل آئی موٹر سے اِک نیتری سی — کہا کلچرل شو میں رونق بڑی ہے
سبھی منتظر ہیں کہ حاکم کو دیکھیں — نہ طبلے پہ اک تھاپ اب تک پڑی ہے
کہا کلچرل شو سے نظریں ہٹا کر — توجہ ابھی ایگریکلچر کو دی ہے
ابھی نغمہ و رقص کو بند رکھو — یہاں اب زراعت کی محفل جمی ہے
وہ رخصت ہوئی تو پھر اک دوست آئے — کہا موہن جرنی کی پکچر لگی ہے

مگر دوست کو ایسی باتوں پہ ڈانٹا — کہ لوگوں کو فاقے سے جاں پر بنی ہے
یہاں بد سے بدتر ہے حالت زمیں کی — تمہیں چاند اور چاندنی کی پڑی ہے
ادھر لاؤ پکچر پہ جانے کے پیسے — ہمیں کھاد کھیتوں میں اب ڈالنی ہے
میں کیا دیکھتا ہوں کہ پھر ملک بھر میں — زراعت کے عملے کی فوج آگئی ہے
زمیں کا جہاں بھی نظر آیا ٹکڑا — اُسے کھیت کی شکل دی جارہی ہے
کنویں، بجلی کے جا بجا لگ رہے ہیں — کہ جاں بخش پانی کی لہر آرہی ہے
حکومت کی جتنی ہیں خالی زمینیں — انہیں فوج خود جوتتی جارہی ہے
ٹریکٹر پہ کرنیل بیٹھا ہوا ہے — تو چاروں طرف مستعد کپتنی ہے
جوانوں کے قبضے میں ہے بار ہیرو — ربیع ڈرل سے سب کاشت کی جارہی ہے
کہیں کام کرتا ہے میسٹن پلاؤ — کہیں راجہ ہل سے زمیں جت رہی ہے
ہرا ہو گیا چپہ چپہ زمیں کا — ہر اک سمت سبزے کی چادر بچھی ہے
کہیں پھول ہیں تو ہیں گملوں کے اندر — زمیں پر اناج اور سبزی اُگی ہے
کسانوں کے کھیتوں میں پھرتے ہیں میجر — کہ دیکھیں یہاں کس جگہ دھاندلی ہے
زمیندار چھوٹے ہیں پٹواریوں سے — ہر اک شے انہیں وقت پر مل رہی ہے
وہ ہو "فرد" کوئی کہ نہروں کا پانی — رکاوٹ ہر اک کھود کر پھینک دی ہے
ہر اک بیج تازہ ترین اور اعلیٰ — پرانے کے بونے پہ بندش کڑی ہے
ہر اک کھیت میں کھاد ہے کیمیاوی — ہر اک گاؤں میں انجمن باہمی ہے

ہر اک شخص کو بس یہی ایک دُھن ہے   مرے ملک میں فوڈ کی کیوں کمی ہے
جوانوں کی طاقت بزرگوں کی ہمت   اسی ایک میزان میں تُل گئی ہے۔
یہاں جنگ کا سا سماں بندھ گیا ہے   کمی میں اور اس قوم میں ٹھن گئی ہے
مساجد میں واعظ سٹیجوں پہ لیڈر   ہر اک فردِ ملت کو یہ لَو لگی ہے
ذخیرہ ہو خوراک کا اتنا وافر   جو اس ملک کی قدرتی برتری ہے
جو یہ حال دیکھا تو آواز آئی   میرے شاعر آ بھوک تجھ کو لگی ہے
جو بیٹھا تو دیکھا کہ ہے اک ضیافت،   کہیں قورمہ ہے کہیں فیرنی ہے
کہیں شیرمال اور کہیں ہے پلاؤ   کہیں تازہ میووں کی کھیپ آ رہی ہے
سرِ میز ہیں حاکمِ وقت بیٹھے   "کھلاؤ پلاؤ" کی دھن بج رہی ہے
سلامی کو تیار فوجی کھڑے ہیں   ادھر کلچرل شو کا اعلان بھی ہے
میرے دوست اب مسکراتے ہو تم بھی   ادھر سب لبوں پر ہنسی کھیلتی ہے

وہ دِن آئے یارب کہ جب یہ کہوں میں
کہ تعبیر اس خواب کی ہو گئی ہے

الاٹی

انساں کی روح ایسے ہے ماٹی کے ہاتھ میں
جیسے ہو جائداد الاٹی کے ہاتھ میں

الاٹمنٹ

دِلّی میں بس رہے تھے اِک ایسے مُغل رئیس
جن کا خدا کے فضل سے ماحول تھا نفیس
کوٹھی تھی بیچ شہر کے باغات گاؤں میں
اب تک کشش تھی اُن کے خطابِ گراؤں میں
تقسیم پر پیام مگر لایا نامہ بر
منظور ہو جو قبلہ کو لاہور کا سفر
ہو سکتی ہے حضور کو ایسی الاٹمنٹ
ہوں گرد جس کے سامنے گلبرگ ہو کہ کینٹ

"ہر چند منہ تو دلّی سے موڑا نہ جاتا تھا
پر ہاتھ سے یہ مال بھی چھوڑا نہ جاتا تھا
مطلب یہ ہے کہ بعد بہت قیل و قال کے
اسباب سارا راہِ سفر کا سنبھال کے"
دلّی کو یہ بھی چھوڑ کے لاہور آ گئے
اب اور کیا بتائیں کہ کس طور آ گئے

بے غرض قوم

نہ اس کو کسی معرکے سے غرض　　نہ ہمت کے میٹھے صلے سے غرض
نہ اپنے کسی فائدے سے غرض　　نہ دُنیا کے اچھے بُرے سے غرض

مری قوم اِک بے غرض قوم ہے

یہ مانا گئی ہاتھ سے سلطنت　　بزرگوں کی باقی ہے عزت نہ پت
مٹی خاک میں ملک کی منزلت　　مگر اِس کو کافی ہے رُوحانیت

مری قوم اِک بے غرض قوم ہے

نہ اس سے غرض کون ہے خیر خواہ　　رُلاتا ہے کس کو یہ حالِ تباہ
نہ ہے بحث اس سے، نہ اس پر نگاہ　　سدا کون ہے طالبِ عزّ و جاہ

مری قوم اک بے غرض قوم ہے

وطن میں ہے غیروں کی شمشیر کون　　بنا ہے غلاموں کی تقدیر کون
اُدھر شوق سے پا بہ زنجیر کون　　اِدھر ہے رعونت کی تصویر کون

مری قوم اِک بے غرض قوم ہے

کدھر ہے تُو اے شاعرِ خوش نوا کدھر ہے تُو اے ساقیٔ مہ لقا
سنا وُہ قصیدہ ہو یا مرثیہ پِلا زہر ہو یا مئے جاں فزا
مری قوم اک بے غرض قوم ہے،

یہ نظم اُس وقت لکھی گئی جب ہمارے وطن پر انگریز قابض تھے اور اس حصّہ ملک پر انگریزی مصالح سلطنت کے محافظ و علم بردار لوگ اپنے لاؤ لشکر سمیت آزادی خواہوں کے مختصر گروہ کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔

شاذؔ

رکھو تسلّی دوستو! بہتر زمانہ آئے گا۔

(ذرا مُسکرا کے پڑھو)

تم پوچھتے ہو دوستو بہتر زمانہ ہے کہاں
جب چھائی ہے کالی گھٹا اور کوندتی ہیں بجلیاں
جب روشنی کے دیپ کو ہیں کھا گئی تاریکیاں
ہر سُو بدی کا راج ہے اور دب گئی ہیں نیکیاں

لیکن نہ بھولو دوستو فطرت کے اِس دستور کو
جس نے تسلّی کا دیا تحفہ دلِ رنجُور کو
دو دن ستایا ہے اگر جابر نے اِک مجبور کو
تاریکیوں نے دیر تک روکا نہیں ہے نُور کو

تم دیکھتے ہو دوستو پھولا ہُوا ہے بُلبلا
تم جانتے ہو دوستو پر بُلبلا ہے بُلبلا
بڑھ کر ٹٹولو تم اگر تو چیز کیا ہے بُلبلا

بس دیکھنے کی چیز ہے خالی ہوا ہے بُلبلا

تاریکیوں کی رات پر پُر نور دن چھا جائے گا
سر ہر بدی کے سانپ کا اُس روز کُچلا جائے گا
جاں قبض ہو گی جھوٹ کی اور سچ اُسے کھا جائے گا
رکھو تسلّی دوستو وُہ وقت بھی آ جائے گا
رکھو تسلّی دوستو بہتر زمانہ آئے گا

مناجات بہ درگاہِ مجیب الدعوات

ہے زیبا تجھے اکبری سروری
ہے شایاں تیری ذات کو برتری
یارب ہراک خشک کھیتی ہے تجھ سے ہری
ہراک خالی جھولی ہے تونے بھری
میری بار کیوں دیر اتنی کری،

ا الف تو فقط میٹرک پاس تھا،
وزارت کی نہ کچھ قوم کا اُس کو احساس تھا
بخشش وہ مدّت سے خوگردۂ یاس تھا
وزارت اُسے مفت میں بخش دی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ب مڈل تک فقط ب کی تعلیم تھی
اتریری نہ افہام تھا اور نہ تفہیم تھی
ڈاکٹریٹ جسے خود فضیلت نہ تسلیم تھی

اُسے ڈاکٹر کی سند بخش دی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

پٹ	خریدا تھا پٹ نے سمگلر سے مال	
	اُسے ہضم کرنا ہوا تھا وبال	سہج
	رہے زندہ وہ افسرِ خوش خصال	چھوٹے

تلاشی ہوئی پر ہوئی سرسری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ت	تمنا تھی تت کی کہ از فضلِ رب	الحاج
	کہیں مجھ کو الحاج ہمسائے سب	

چڑھا نرخ لوہے کا جب بے سبب
تمنا کی کھیتی ہوئی ہے ہری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ٹ	ہمیشہ نہ تھے ٹ کے ایسے ہی ٹھاٹھ	الاٹ منٹ
	بنے لاٹ صاحب ہوئی مِل الاٹ	کا کمال

کبھی دل تو تھا زندگی سے اُچاٹ
مگر اب تو جو رُد بھی ہے تیسری
میری بار کیوں دیر، اتنی کری

لکھ پتی	مچا تھا بہت ثؔ کی نیکی کا غُل	ث
	مگر ریلوے کا بنایا جو پُل	
	مسالے میں لس دے گئے ایسا جُل	
	بنے ایک ہی ٹھیکے میں لکھ پتی	
	میری بار کیوں دیر اتنی کری	
صاف	لگا جؔ کا ہونے بڑا تباہ	ج
بری	پولیس پر کھلے ان کے سارے گناہ	
	بنا کیس مضبوط ایسا کہ واہ	
	ہوئے کورٹ سے صاف لیکن بری	
	میری بار کیوں دیر اتنی کری	
کرخندار	رہے ایک مدت جو چؔ چوکیدار	چ
	کسی نے نہ دی سنکھیا تک ادھار	
	بنے ایک دن میں وہ کرخانہ دار	
	لگی ہینگ اس پر نہ کچھ پھٹکری	
	میری بار کیوں دیر اتنی کری	
وائس مرچنٹ کی	رہا حؔ کو فکر حلال و حرام	ح
بیٹی کی تاثیر	تو بدلا نہ کچھ زندگی کا نظام	

کیا وائین مرچنٹ کی بیٹی نے کام
ہوا بیاہ، کایا پلٹ ہو گئی
میری بارکیوں دیر اتنی کری

خ | رہے خواجہ صاحب فقط ایکسٹرا | فلم ڈائریکٹر
نہ اک انچ حضرت کا رُتبہ بڑھا
سیانی ہوئی جب ذرا لونڈیا
تو ہاتھ آ گئی فلم ڈائریکٹری
میری بارکیوں دیر اتنی کری

د | کبھی دال سے دولتانہ ہوا | دولتانہ
ترقی کا نادر بہانہ ہوا
مگر ختم آخر فسانہ ہوا
گئی رات اور آ گئی روشنی
میری بارکیوں دیر اتنی کری

ڈ | رہے عمر بھر ڈال جی ڈانواں ڈول | مسخرہ افسر
کہیں مول ان کا جچا اور نہ تول
مگر صادق آیا بزرگوں کا بول
کہ اِس مسخرے کو ملی افسری

میری بار کیوں دیر اتنی کری

ذ ہوئے ذاؔل اپنے کئے سے ذلیل بلا ٹل گئی
نہ کام آئے اُن کے وکیل ودلیل
رہی جب نہ بچنے کی کوئی سبیل،
تو کچھ دے دلا کر بلا ٹل گئی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ر ملی رؔ کو اک ڈاکٹری کی دوکاں پریکٹس
دوائیں بہت مرہم اور پٹیاں
گئی اُس کے پھٹے پہ تھیں ڈگریاں
لکھا نام اپنا پریکٹس چلی،
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ز کیا زؔ نے جب زہر کا کاروبار زہر کا
لگی پڑنے پھٹکار تب زور دار سوداگر
جو کی اِس نے یاروں میں تقسیم کار
تو لعنت مبدّل بہ تحسیں ہوئی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

س یہیں جوتیاں کھاتا پھرتا تھا سین اختری

غریبی کی جھولی میں دنیا نہ دین
ملی گویا نوٹوں کی اس کو مشین
عطا ہو گئی جب اُسے اختری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ش | تراہی کرم شین پر ہے کریم | شین صاحب
رہا عمر بھر شاعروں میں حکیم
ہوئی جب حکیموں میں حالت سقیم
تو اس وقت کام آ گئی شاعری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ص | رہی صاد کی عمر بھر جیب صاف | ادور سیئر
رہے اپنے بیگانے اُس کے خلاف | کا
ہوئی خانداں بھر کی سختی معاف | باپ
ملی جبکہ بیٹے کو ادور سیئری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ض | ہوئے ضاد اس آرزو میں ضعیف | لطیف
کہ بخشنہ ہوں یکساں ربیع و خریف | ضلع دار
ضلع دار بن کر بھتیجا لطیف

جو آیا ہوئی کھیتیاں سب ہری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ط | طوائف کا کوٹھا ہوا جبکہ بند | طوائف کی
تو دیں گالیاں مولوی جی کو چند | تسلیم
مگر کام آئی بزرگوں کی پند
مراثی سے گانے کی تعلیم لی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ظ | کیا ظالمِ ظالم نے دُنیا کو تنگ، | اصلی
ذخیرہ کیا مال سب بے درنگ | فاتح
ہوا مال مہنگا چھڑی جب کہ جنگ
لڑا کوئی اور فتح کس کی ہوئی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ع | لیا عین نے علینکوں کا سٹور | کیلنڈر اور
تو بس ہاتھ آئی تجارت کی ڈور | جنتریاں
ہوا ہر طرف مال و دولت کا زور
کیلنڈر بنے اور چھپی جنتری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

غ	بڑھی غین کی غیر سے رسم وراہ	تقدیس
	فوائد لئے غیر سے بے پناہ	کی
	پڑی آخر اپنوں کی اِس پر نگاہ	اوڑھنی
	تو تقدیس کی اوڑھنی اوڑھ لی	
	میری بار کیوں دیر اتنی کری۔	
ف	کیا ہر طرف فے نے ایسا فساد	زندہ باد
	مثال اس کی دنیا کو آئی نہ یاد	
	سزا کی بجائے ہوئے زندہ باد	
	صدارت ہوئی اور ملی ممبری	
	میری بار کیوں دیر اتنی کری	
ق	کیے قاف نے قتل چودہ ہزار	نہ پکڑ دھکڑ
	فرشتوں میں ان کا ہوا ہے شمار	اور
	لہو پی کے مانے گئے روزہ دار	نہ پھانسی
	نہ پکڑے گئے اور نہ پھانسی ملی	
	میری بار کیوں دیر اتنی کری	
ک	ادھر کاف نے ایسی کشتی بنائی	خوش
	بہت جس میں خلقت خدا کی بٹھائی	قسمت

بھنور میں مگر جا کے کشتی پھنسائی — کشتی
کسی کو نہ شکوے کی ہمت ہوئی — ران
میری بار کیوں دیر اتنی کری

گ — ملی گاؤں کے گھر سے ملت کو گور — سبھی پی گئے
مچا گاف کی بیوقوفی کا شور
مگر کہہ سکے کچھ نہ چوروں کو چور
سبھی پی گئے جب مچی ابتری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

ل — میری بات سُن لے کوئی غور سے — میرا لاہور
تو ہے لام کو فخر لاہور سے
معزز ہوئے لوگ اِس طور سے
قرابت جو لاہور سے ہو گئی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

م — مقابل ہوئے جب کئی دل جلے، — گورنری
ہوئے ختم سب میم کے چوچلے
گئے ڈوب پانی کے ریلے تلے
جو اُبھرے تو ہاتھ آ گئی گورنری

میری بار کیوں دیر اتنی کری

ن ہوئے نونؔ صاحب سے قائدؔ خفا — نون صاحب

وزارت سے باہر ملی ان کو جا

رہے بی وزارت سے مدت، جُدا

ملاقات دونوں کی باہم کری

میری بار کیوں دیر اتنی کری

و رہی واؔ سے واہ کی دوستی — واہ بھائی

ولائت سے عزت کی کھیپ آگئی — واہ

وزارت ولائت میں چلتی رہی

کہ چالو رہی واہ کی فیکٹری

میری بار کیوں دیر اتنی کری

ھ کبھی کچھ نہ ھؔ نے کیا ہاتھ سے — ہذا من

رہے بے خبر اپنی اوقات سے — فضلِ ربّی

توقع تھی اللہ کی ذات سے

اسی کے کرم سے جو پوری ہوئی

میری بار کیوں دیر اتنی کری

ی بلا جب سے یؔ کو یتیموں کا مال — یتیموں کے

بنے قوم کے رہبر باکمال — مال کی
اٹھا جب کبھی لیڈری کا سوال — برکت
انہی کو ملی قوم کی لیڈری،
میری بار کیوں دیر اتنی کری
گنڈیری کے مرچنٹ وہ مہر[1] سے — سُد
جو الّو کے پٹھے ہیں "مور آر لیس" — ہو گئی
مِلا ان کو قسمت سے برقی پریس
غلط بخشی کی یعنی حد ہوگئی
میری بار کیوں دیر اتنی کری
رہے بیچتے جو کہ بیٹھے ہوئے — بے نام
کہیں لنڈے بازار میں چیتھڑے
کرم سے تیرے اُن کے دن جب پھرے
ملی ان کو لاہور کی مہتری،
میری بار کیوں دیر اتنی کری

---

[1] مہر صاحب انگریزی بالکل نہیں جانتے۔ مگر باتیں کرتے ہوئے سر کی جنبش کے ساتھ "یس" "یس"، اِس کمال سے کرتے ہیں کوئی سمجھے بڑے انگریزی دان ہیں۔

بے نام — نمبر ۲ — ایڈیٹو

وہ بے نام سے ایک مردِ خسیس
رہے جو کچہری میں عرضی نویس
بنے خیر سے شہر کے اب رئیس
ملی جب رسالے کی ایڈیٹری
میری بار کیوں دیر اتنی کری

خاتمہ کلام — موری کی اینٹ

گزرتے ہیں اس خیال میں ماہ و سال
بنے تاج سا روضۂ بے مثال
عمل میں مگر کیسے آئے یہ خیال
چوبارے میں موری کی اینٹ آگئی
میری بار کیوں دیر اتنی کری

افسری

دوست، یہ افسری، خدا کی پناہ
شکلِ انساں بگاڑ دیتی ہے
گلشنِ بے خزانِ الفت کو
بن کے بجلی اجاڑ دیتی ہے

مکالمہ مابین،

فرّاش و وزیر

(تین شعر کا ڈراما)

فرّاش۔ حضور ہال کا قالین ہے بہت گندہ،
جو حکم ہو کسی ماہر سے صاف کروالیں،

وزیر۔ ٹھہر کہ مجلسِ قانون بیٹھنے کو ہے،
اسی سے کیوں نہ یہ قانون پاس کروالیں
ہمارے ہال کے قالین کو جو گندہ کہے
وہ بدزبان سزا پائے اور ڈنڈ بھرے

تین ایکٹ کے ڈرامے تو بہت دیکھے ہوں گے۔ یہ تین شعر کا ڈراما بھی دیکھیے۔

ج.ن.ج

اکبر لاہوری کا ساقی نامہ

پلا ساقیا بھنگ ہو یا شراب
ملے جس سے دل کو سکوں بے حساب
پلا دے کرم سے وہ چُلّو مجھے
کہ چُلّو میں کر جائے اُلّو مجھے
جدھر دیکھ پاؤں اٹھا کر نظر
نظارے ملیں خوب سے خوب تر
کسی کی بھی مجھ سے بُرائی نہ ہو
کسی کی بھی مجھ سے لڑائی نہ ہو
کوئی چور ہو یا کہ ہو سینہ زور
نظر آئے بس میری آنکھوں کو مور
حسیں خوبرو بال و پر زر نگار
مجھے اُس کی اِک اِک ادا سے ہو پیار

جو دیکھوں کسی کی تجوری میں مال
ذرائع کی جانب نہ دوڑے خیال
میں قسمت کا اُس کو دھنی مان لوں
اِسی طرح دل کا غنی مان لوں
نہ جب حال میں ذکرِ ماضی رہے
تو ہر بھیڑیا مُجھ سے راضی رہے
اگر صاحبِ علم ہو خستہ حال
نظر میں سمائے نہ اُس کا کمال
غنی بے بصر کو ارسطو کہوں
تہی دست عالِم کو بُدھو کہوں
جو دیکھوں کسی ہاتھ میں اقتدار
اُسے چوم لوں بڑھ کے دیوانہ وار
جو اس سے بھی مسند کوئی چھین لے
بڑھوں اس طرف دُم ہلاتے ہوئے
نہ اِس سے محبّت نہ اُس سے وفا
کہ یا بے حیائی ترا آسرا
جو ہو سکّۂ چہرہ شاہی میں رانگ

اُڑاؤں نہ پھٹے پرائے میں ٹانگ
اُسے سیمِ خالص کہوں زر کہوں
اُسے پونڈ کا بھائی ڈالر کہوں
گدھے پر کسی ہو جو ہاتھی کی جھول
اُسے ہاتھی کہنا ہو میرا اصول
وُہی نیک اور پختہ ایمان ہو
عدالت میں جس کا نہ چالان ہو
بنوں ایسی مسجد کا میں پیش امام
بنی جس کے نیچے دوکانیں ہوں عام
مرے نام پر سب کرایہ ہو وقف
مرا مال ہو از زمیں تا بہ سقف
ہر اک لمحہ سُکھ ہو ہر اک لحظہ چین
نہ گردن کٹے میری مثلِ حسینؑ
نہ بابا علیؓ اور نہ نانا رسولؐ
مجھے کس لیئے ہو شہادت قبول
میرے سامنے شمر ہو یا یزید
میرے لب پہ ہو حرف ہل من مزید

اگر نشہ کافی نہ ہو اے حکیم
پلا بھنگ میں تو ذرا سی افیم
نہ یہ بھی اگر ہو میسّر تجھے
تو پھر لا دے تھوڑی سی ٹنکچر مجھے
نہ دیکھوں کبھی تاکہ وہ روزِ بد
کہ قائم رہیں میرے ہوش و خرد
پلاتے ہوئے سازِ عشرت بجا
وہی دُھن چھیڑے ہو جدھر کی ہوا
در و سقف و دیوار اڑ اڑ اڑ دھم
مگر جشنِ عشرت مناتے ہوں ہم
پلا ساقیا تیرے مستوں کی خیر
تیرے کنجروں تیرے بھڑووں کی خیر

جلوس

(آزاد نظم)

روکو اپنا گھٹیا سائیکل
روکو یہ لکڑی کا رہڑا
روکو اپنی گھوڑا گاڑی
اس رکشا کو دُور ہٹاؤ
یہ لو تھامو میرا ہنٹر
اس سے گدھے کی کھال ادھیڑو
ڈٹ کے کھڑا ہے بیچ سڑک کے
جیسے یہ باوا کا گھر ہے
دِکھتا نہیں ہے عقل کے اندھو
وہ ذی شان جلوس آ پہنچا
یہ سب شانیں یہ سب دُھومیں
اک شاہی مہماں کے لیئے ہیں

جس کے لیے سڑکوں کی سجاوٹ
جس کے لیے چہروں کی بناوٹ
جس کے لیے اونچے جھنڈوں پر
لکھ رکھا ہے۔ "شاد رہو تم"
جس کے لیے باجوں نے پکارا
آؤ ساجن، ساجن آؤ
تم ہو اس رستے کا پتھر
تم ہو اس رستے کا کانٹا
تم کو اٹھوانا ہی پڑے گا
تم کو ہٹ جانا ہی پڑے گا
یہ بھونڈے بیہودہ منظر
یہ آنکھوں کا روگ سراسر
ان کو یہاں سے دور ہٹاؤ
ان کو اپنے گھر لے جاؤ
مہمانوں کا رستہ چھوڑو
اس مجمع سے ناطہ توڑو
وہ مہمان ہمارے آئے

وہ آنکھوں کے تارے آئے
اُن کے ساتھ ہمارے اپنے
جاگتے میں دیکھے ہیں سپنے
اِن کو بھی جی بھر کے دیکھو
اِن کے لیے بھی ہاتھ ہلاؤ
ان کو بھی تو تب دیکھیں گے
جب کوئی مہمان آئیں گے
سورج روز نکل سکتا ہے
روز جلوس نکل نہیں سکتا
اس لمحے کو غنیمت سمجھو
آنکھیں پھاڑو، سانسیں روکو

شاعر بس میں جارہا تھا کہ بس کو "گھنڈے لائن" لگا دیا گیا اور جب تک جلوس سارے کا سارا نکل نہ گیا بس کے بیسیوں مسافروں کی خلاصی نہ ہوئی۔ مگر اِتنے عرصہ میں یہ نظم مکمل ہو گئی۔ ثمّ الحمدللہ۔

نئی چمن بندی

جس کے ہاں اولاد ہوتی جائے وہ نامرد ہے
اور ماں بچے جنے جائے تو وہ کمزور ہے
ہٹے کٹے دُم کٹے بھینسے کی مانند آدمی
دندناتا ہر طرف گھومے تو وہ شہ زور ہے
کھائی کھیلی اِک کنواری کی طرح پھرتی رہے
ایسی مِس کے ہاتھ میں سوسائٹی کی ڈور ہے
بیوی بن کے جو کہ بیوہ کی طرح آئے نظر
اس کے اعزازات کا ہر انجمن میں شور ہے
اپنے جیسے آدمی دُنیا کو جو دیتا رہے
اِس جہاں میں آدمی کا اور خدا کا چور ہے
یوں چمن بندی نئی ہو پھول پھل بننے نہ پائیں
اور پھلوں کو ڈھونڈنے والے کو سمجھیں کور ہے
مورنی سے اب نہ جو انڈوں کی فرمائش کرے
اس چمن میں بس وہی موروں کا راجہ مور ہے

بزم سے اُٹھی وہ مِس انگڑائیاں لیتی ہوئی
چُپ ابھی رہ اکبر کہ تُو تو اچھا خاصا بور[1] ہے

---

[1] بھلا بتایئے کہ اِس لفظ کا انگریزی میں SPELLING کیا ہوگا؟

اِنتخابی تقریر

(عشرۂ ترقی کے حوالے سے)

میرے عہد کی کس قدر برکتیں ہیں ——— یہ مُرغی سے پُوچھو
بِکا اس سے پہلے کبھی انڈیا میں ——— اٹھنی کا انڈہ

میرے عہد کا حال بکری سے پوچھو ——— کبھی دُودھ اس کا
بِکا تھا یہاں پر ——— اٹھنی سے اُوپر

نہ ہو میرا بھیڑ سے جا کے پوچھو ——— بچاری کا قیمہ
بِکا ہے کبھی پاؤ بھر دو روپے کا ——— مٹن مارکیٹ میں

کبھی گائے اور بھینس سے پوچھ دیکھو ——— کہ گھی دُودھ اِن کا
ہزاروں برس سے یہیں بِک رہا تھا،
کبھی کی تھیں اس نے ستاروں سے باتیں

مکاں جتنے میں پہلے ملتا تھا گروی ——— سمجھ میں کچھ آیا
اب اتنا ہی ملتا ہے اس کا کرایہ ——— ترقی کو دیکھا

کفن ہو گیا اس قدر آج مہنگا ——— کبھی مر کے دیکھو
کہ اتنے میں بھگتانے بھی گورکن کو ——— ہو جاتا تھا تیجا

اسی عہد کی خوبیاں ہیں یہ ساری ——— عنایت ہماری

لگے دوستو زور سے ایک نعرہ ——— سب اِک ساتھ بولو

ترقی ترقی ترقی ترقی

آئی جی پولیس غور فرمائیں

تھانے والوں نے ہے پکڑا ایک ایسا نابکار
لُوٹ لیتا تھا غریبوں کو جو بن کر تھانے دار
لیکن اس میں ہے یہ نکتہ بال سے باریک تر
جس پہ آئی جی پولیس بھی غور کرلیں بار بار
لُوٹنا آسان تر کیوں ہے پولیس کے بھیس میں
اور بلا وردی بہت مشکل ہے کیوں ڈاکو کا وار؟

قانونِ قدرت

وکیلو، ملزمو، میجسٹریٹو
کچہری کے بزرگو اور بیٹو
سنو اِک بات شاعر کی زبانی
کہ شاید اِس سے بدلے زندگانی

یہ ہتھکڑیاں، یہ زنجیریں، یہ بیڑی
یہ چابک کھال ہے جس نے ادھیڑی
یہ ہیں قانونِ انسانی کے مظہر
نظر آتے ہیں اندر اور باہر

مگر قانونِ ربانی کے ہتھیار
یہیں موجود ہیں، رہنا خبردار
خدا کی بیڑیاں ہتھکڑیاں اور طوق
پہنتے جارہے ہیں سب بصدِ شوق

کہیں وہ طوق گردن میں پڑے ہیں
کہ جن سے سر ہیں یوں جیسے گڑے ہیں
کسی ڈھب مُنہ پھرا سکتے نہیں ہیں
اگر آئیں تو جا سکتے نہیں ہیں

اُدھر ہیں بیڑیاں ٹخنوں سے اُوپر
کہ جن سے پاؤں بوجھل ہیں سراسر
نہ ہل سکتے ہیں ہاتھ اپنی رضا سے
ہوئے ہوں جیسے پتھر بدعا سے

یہ زنجیریں ہیں بے آواز و حرکت
جہاں قانون ہے، قانونِ قدرت
خُدا انسان کو ایسی نظر دے
کہ اس کو دین و دنیا کی خبر دے

محاذِ جنگ

محاذِ جنگ سے آئی مُبارکہ کی خبر
گھروں کو رونے ہوئے سارے ٹھیکیدار چلے
وہ بھیجتے ہیں یہ دشمن کی فوج کو پیغام
"چلے بھی آؤ کہ یاروں کا کاروبار چلے"
زمانے بھر کے لیے جو بناتے ہیں ہتھیار
کوئی لڑے تو بچاروں کا روزگار چلے
خطا کسی کی ہو شامت ہماری آتی ہے
تیرے جہان میں یوں زندگی گزار چلے
فضائے امن میں جس کو ملا نہ جھگڑا ابھی
محاذِ جنگ پہ اکبرؔ اُسی کی کار چلے

مقامِ شُکر

جب سے حاصل ہے تجھے تیغ و تبر
جب سے ہے تیری نظر برق و شرر
کہتے ہیں سب قوم کے اہلِ ہنر
حق نے دی مسند تجھے کچھ سوچ کر
تو بھی اس کا شکر کر اے نامور
تو نے پائی قوم ایسی "بے بصر"

مطمئن ہیں تیرے جاہ و مال سے
اور ہیں بے فکر اپنے حال سے
بے خبر دَورِ فلک کی چال سے
شُکر کرتے ہیں تیرے اقبال سے
تو بھی اس کا شُکر کر اے نامور
تو نے پائی قوم ایسی "بے بصر"

تو نے برسایا کبھی ڈنڈا اگر
کہتے ہیں اس میں ہے جادو کا اثر

جو نہ ڈنڈا کھائے سینہ کھول کر،
کہتے ہیں اس کی طبیعت میں ہے شر
تو بھی اس کا شکر کر اے نامور
تو نے پائی قوم ایسی "بے بصر"

ہو رہا ہے تنگ تر میدانِ زیست،
اور ہیں نایاب تر سامانِ زیست
کوئی منصوبہ نہیں شایانِ زیست
پھر بھی کہتے ہیں تجھے سلطانِ زیست
تو بھی اس کا شکر کر اے نامور
تو نے پائی قوم ایسی "بے بصر"

دیتے ہیں اندھیر کی بڑھ بڑھ کے داد،
مطمئن ہیں امن ہو یا ہو فساد،
بے دوا مر جائے کوئی نامراد
مل کے سب کہتے ہیں اُس کو زندہ باد
تو بھی اس کا شکر کر اے نامور
تو نے پائی قوم ایسی بے بصر

کوئی دشمن ہو کہ ہو شیدائے قوم
درد کُش ہو یا ہو درد افزائے قوم
قوم بس یہ دیکھتی ہے "ہائے قوم"
آج کے دن کون ہے بالائے قوم

تو بھی اس کا شکر کر اے نامور
تو نے پائی قوم ایسی "بے بصر"

برطانوی وزیراعظم سر ونسٹن چرچل نے ایک بار کہا تھا کہ جب میں دارالعوام میں جاتا ہوں، تو میرے جذبات یہ ہوتے ہیں کہ میں شیروں کے غار میں داخل ہو رہا ہوں جو مری تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ اُس کے برعکس شاعر کی قوم ایسی برخوردار قوم ہے کہ جو کوئی اقتدار کی مسند پر پہنچ جائے تو انہیں اس میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔

ایک خط کے جواب میں

تم نے لکھا ہے مجھے کس شان سے
ہاتھ دھو لو اپنی ریشم جان سے
ہو گیا ہے اب وہ کاروبار بند
کر دیا ہے ہم نے وہ بازار بند
یہ نہیں لکھا مگر اے جانِ جاں
اس کے ملنے والے جائیں گے کہاں
جاتے تھے جو لوگ ریشم جاں کے پاس
کیا وہ جائیں گے تمہاری ماں کے پاس
یاد ہے سرکار کو مرزا چمن
آتی تھی نو کوس سے بوئے دہن
اور نہ بھولا ہو گا وہ جھگّی میاں
بند تھیں چیچک سے جس کی پتلیاں
وہ رذالہ قوم کا مسٹر جمال
تھی بدن پر جس کے اک گینڈے کی کھال

وہ چھٹا شہدا وہ نتھو بدمعاش
رہتی تھی پولیس کو جس کی تلاش
اُسترا حجام اور لالو سنار
چھیچھڑا قصاب اور کالو چمار
جیل سے بھاگا ہوا رُلدو فقیر
ٹوڈہ ہیں تھے جس کی مُنکر اور نکیر
بے وطن بے آبرو دیوالیہ
راندۂ درگاہ فتّو کالیہ
ماسٹر بدھو کا بھولو کوچوان
پیٹ جس کا تھا اچاری مرتبان
تم نے چھینا ان سے ہے وہ آستاں
جن کا تھا کوئی نہ زیرِ آسماں
ملتی تھی اس در سے بیماروں کو چائے
بدنصیبوں بخت کے ماروں کو چائے
کھُل چکا تھا سب پہ جس بدرُو کا بھید
اس جگہ سنتا تھا وہ خوش آمدید
تھا نہ جس کے واسطے لفظِ وفا

اس کو ملتی تھی یہاں دل کی دوا
ایک دو کے واسطے جانی کا گھر
اور سب کے واسطے نانی کا گھر
خوب یاد آیا وہ دِیناؔ بین گر
دوپہر کاٹے گا جاکر کِس کے گھر
تم نے یہ سوچا نہیں اے مہرباں
یار ایسے گھر کو پائیں گے کہاں
گالیاں دے کر یہاں سے تھانیدار
لے کے جاتا تھا سدا پھولوں کے ہار
مولوی جی کا بھی لگ جاتا تھا داؤ
پوچھ ہی لیتے تھے وہ انگیا کا بھاؤ
منہ سے نکلی بات جو بیگم کے پاس
بے کہے جا پہنچی اِک عالم کے پاس
کھل گیا جو بھید اس چھت کے تلے
سخت ناممکن تھا وہ آگے چلے
ہوتا ہے بیگم کو ہلکا سا زکام
سر پہ رکھ لیتی ہے گھر کے سقف و بام
کہتی ہے بادا نے کس گھر میں دبا

ایک پل گزرا نہیں آرام کا
اُس کو بھی آتی رہیں بیماریاں
اُس کو بھی ہوتی رہیں لاچاریاں
سب دسے ہنس ہنس کر مگر ملتی رہی
اور کپڑے کی طرح سِلتی رہی
مولوی پنڈت گیانی راہنما
حشر ہے جن کی لڑائی سے بپا
بھولتے تھے اس جگہ سب اختلاف
یہ جگہ ایسی تھی، گستاخی معاف
تم نے گھونپا ہے، مجھے کہہ لو بُرا
پیٹھ میں منصوبہ بندی کے چھُرا
کرتے تھے جو لوگ اس کو کامیاب
کر دیا بند ان کی اس کوشش کا باب
مجھ سے بس الجھے نہ کوئی نیک نام
ختم اب کرتا ہوں خط کو والسّلام

علمائے سوء

یوں پیرویِ سُنتِ اجداد کریں گے
ہر فصل میں سُنت نئی ایجاد کریں گے
اسلام سے ہے کہ جنہیں، اللہ سے ہے بیر
ہم اُن کے ہر ارشاد پہ یوں صاد کریں گے
تھرّائے گی ہر خشتِ حرم رنجِ دروں سے
جبریلِؑ امیں عرش پہ فریاد کریں گے
جس دَور میں ہم نامِ خدا عالِمِ دیں ہیں
قرآن اور اسلام بھی کیا یاد کریں گے

نئے پریس قانون پر لاہوری شاعر کا مقالہ

یہ پیش کرتے ہیں ہم مقالہ — حضورِ انور جنابِ والا
کریں کرم تم پہ حق تعالیٰ — حضورِ انور جنابِ والا
حضور کے مُلک کے ایڈیٹر — ادب سے کرتے ہیں عرضِ خدمت
انہیں مقدر نے مار ڈالا — حضورِ انور جنابِ والا
گلے غریبوں کے گُھٹ گئے ہیں — قلم بھی ہاتھوں سے چُھٹ گئے ہیں
نیا جو قانون ہے نکالا — حضورِ انور جنابِ والا
قدم قدم پر جو لکھنے والے — اجازتیں ہی طلب کریں گے
بڑھے گا پھر کون عقل والا — حضورِ انور جنابِ والا
اگر اجازت میں دیر ہوگی — خبر کی تاریخ بن چکے گی
بنے گا اخبار اِک رسالہ — حضورِ انور جناب والا
ہمارے اخبار پڑھیں گے — نہ اس کی عزت کبھی کریں گے
وہ سنگھ سردار ہو کہ لالہ — حضور انور جناب والا

کسی کے دل میں نہ گھر کرے گا
کسی کو قائل نہ کر سکے گا
ہماری تحریر کا حوالہ
حضورِ انور جنابِ والا

ہمارا اخبار پڑھنے والے
قلم کو آزاد چاہتے ہیں
ہو دھوتی والا کہ سوٹ والا
حضورِ انور جنابِ والا

عدالتیں ملک میں کھلی ہیں
قلم کے مجرم کو قید کر دیں
کھلے نہ زنداں کا سخت تالا
حضورِ انور جنابِ والا

ہمارے اخبار آخرِ کار
کیا ہیں؟ اظہار کا ذریعہ
نہیں چھپانے کا کوئی آلہ
حضورِ انور جنابِ والا

ہمارے الفاظ کیا ہیں آخر
بجز خیالاتِ منجمد کے
نہ کوئی تیر و تفنگ بھالا
حضورِ انور جنابِ والا

سنائیں کس کو ہم اپنی بپتا
کریں تو کس سے کریں شکایت
پڑا ہے ہم کو جو تم سے پالا
حضورِ انور جنابِ والا

ہمارے مضمون میں دھرا کیا ہے؟
چند بوسیدہ آرزوئیں،
غبارِ خاطر کا ایک جالا
حضورِ انور جنابِ والا

ہمارے لکھے کو حرفِ آخر
سمجھنے والا یہاں کہاں ہے
نہ کوئی بھائی نہ کوئی سالا
حضورِ انور جنابِ والا

کبھی جو بھولے سے ہم نے "لیڈر" میں ایک معقول بات لکھ دی
ہر اک نے سو سو طرح سے ٹالا
حضورِ انور جنابِ والا

ہے کون سنتا یہاں ہماری سبھی کو ہے جان اپنی پیاری
یہ ملک ہے اپنا دیکھا بھالا
حضورِ انور جنابِ والا

حضور نے بے وجہ ہمارے لکھے میں بھی کوئی وزن پایا
بنا دیا رائی کو ہمالہ
حضورِ انور جنابِ والا

ہماری ہنڈیا اُبل اُبل کر جلائے گی صرف اپنے پہلو
نہ اِس میں خوشبو نہ کچھ مسالہ
حضورِ انور جنابِ والا

حضور کو ان قلم گھسوں کی طرف سے بے وجہ فکر کیوں ہے

لاٹ صاحبوں کی باتیں لاٹ صاحب ہی جانیں۔ ایک دفعہ لاہور کے لاٹ صاحب نے حکم دیا کہ اخباروں والے حکومت سے پاس کروا کر خبریں اور مضمون چھاپا کریں۔ اس پر یہ نظم لکھ کر شائع کرائی گئی۔

ہر ایک کا پیٹ گیا دوالہ

حضورِ انور جنابِ والا

کسی وزارت پہ اُن کی تنقید سے نہ کوئی خراش آئی

رہا حکومت کا بول بالا

حضورِ انور جنابِ والا

کہاں کے یہ معتبر ہیں صاحب نہ کام اِن سے کوئی ہوا ہے

نہ ڈیم منگلا نہ ہیڈ مرالہ

حضورِ انور جنابِ والا

نہ اِن کو تم بانس پر چڑھاؤ نہ اِن پہ پابندیاں لگاؤ

نہ دو انہیں اذنِ آہ و نالہ

حضورِ انور جنابِ والا

یہ سخت قانون ختم کیجے دلوں کے کعبے سے داد لیجے

یہی ہے مسجد یہی شوالہ

حضورِ انور جنابِ والا

ضعیف و ذی جاہ کے عمل کو وہ ذاتِ برتر بھی دیکھتی ہے

ہے جس کے قبضے میں پست و بالا

حضورِ انور جنابِ والا

خدا کرے آپ تک یہ پہنچے   پڑا نہ رہ جائے فائلوں میں
ہماری رُوداد کا قبالہ
حضورِ انور جنابِ والا

کلرک کے دو کاف

میں نے کہا کلرک کو افسر نہ کیوں بنائیں
کچھ اس کے تجربے کو، کچھ اوصاف دیکھئے!
کہنے لگے کہ دیکھا ہے کُتّے کا ایک کاف
اب آپ بھی کلرک کے دو کاف دیکھئے

مُرغی کی مناجات

فضاؤں میں چکر لگاتی ہیں چیلیں
غریبوں کے بچے کوئی دن تو جی لیں
خدا میرے بچوں کو محفوظ رکھے

تباہی کے چشمے فسادات کی جڑ
ہر اک سمت سے ٹوٹے پڑتے ہیں گیدڑ
خدا میرے بچوں کو محفوظ رکھے

زمانے سے کھاتے ہیں جوتے تڑا تڑ
مگر ہم کو آنکھیں دکھاتے ہیں لومڑ
خدا میرے بچوں کو محفوظ رکھے

ستم ٹوٹتے ہیں اندھیرے اُجالے
ہیں لرزہ براندام ہم بچّوں والے
خدا میرے بچّوں کو محفوظ رکھے

یہی ڈر ہے آئے گی شامت ہماری
کہ ناکام لوٹے ہیں بھوکے شکاری
خدا میرے بچّوں کو محفوظ رکھے

خدا بخش دے ان کو اپنی خدائی
مگر ہو نہ ڈربے تک اُن کی رسائی
خدا میرے بچّوں کو محفوظ رکھے

جہاں سارا جاگیر ہے خودسروں کی
اسی سے ہے فریاد ہم بے پروں کی
خدا میرے بچوں کو محفوظ رکھے

☪

چپک میرے بھیّا

چپک میرے بھیّا
چمٹ میرے بھیّا

وزارتوں کے مال ہوں امارتوں کے تھال ہوں
جو تجھ سے نونہال ہوں تو غیر کیوں نہال ہوں

چپک میرے بھیّا
چمٹ میرے بھیّا

یہ آسمان یہ زمیں کسی کی مانتے نہیں
یہ بات مان بالیقیں جواب نہیں کبھی نہیں

چپک میرے بھیّا
چمٹ میرے بھیّا

یہ کہہ رہے ہیں "بے حیا" سمجھ رہے ہیں وہ بُرا
یہ کہہ رہے ہیں "سر پھرا" مگر تو سوچتا ہے کیا

چیک میرے بھیّا
چمٹ میرے بھیّا

سندھ میں ایک نامی گرامی بزرگ گزرے ہیں قسمت نے جنہیں بڑے وزیر کے مرتبے پر پہنچا دیا۔ اُن کی لاجواب طبیعت میں اور لاکھ کمزوریاں ہوں مگر شرم ان کی کمزوری ہرگز نہ تھی ایک صاحب نے اُن کی وزارت کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پیش کیا جس کے نتیجے کے طور پر ان کی وزارت دھڑام سے فرشِ زمین پر آرہی۔ آپ اوندھے مُنہ گرے ملبے کے نیچے دب گئے مگر فوراً کپڑے جھاڑکر اُٹھے اور شکست دینے والے کے پہلو میں اس کے نائب وزیر کی حیثیت سے جا بیٹھے۔ سندھ کی سیاست دریائے سندھ کی طرح متواتر اپنی گزرگاہ تبدیل کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ نئے بڑے وزیر پر بھی عدم اعتماد کا حملہ ہُوا اور وزارت کو شکست ہوگئی وہ صاحب تو خیر وزارت سے نکل گئے مگر ہمارے ممدوح فوراً اچک کر نئے آنے والے کی گود میں جا بیٹھے اور نئی وزارت میں داد وزارت دینے لگے اسی طرح کئی وزارتیں بدلیں مگر بزرگ مذکور ہر حال میں اور ہر بڑے وزیر کے ساتھ بطور وزیر شامل رہے اِن کے اس کردار کو دیکھ کر شاعر کو یہ خیال سوجھا کہ ہو نہ ہو یہ بزرگ ایک فردِ واحد نہیں ہیں بلکہ ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا قومی ترانہ ترتیب دینا چاہیئے خواہ اِس کی دُھن پہلے سے مقرر نہ کی گئی ہو۔

اعتماد کی شکست

(عہدِ ایوبی کے اواخر کی تصویر)

نہیں کہ آپ شجاعت کے شہسوار نہیں
نہیں کہ آپ سیاست میں ہوشیار نہیں
نہیں کہ آپ کو یارا نہیں قیادت کا
نہیں کہ آپ کا ماحول سازگار نہیں
نہیں کہ آپ کا حامی نہیں یہاں کوئی
کوئی بھی آپ کا یارِ وفا شعار نہیں
نہیں کہ آپ سے خدمت نہیں ہوئی کوئی
نہیں کہ آپ کے اوصاف بے شمار نہیں
یہ سب درست ہے لیکن سمجھ میں آتا ہے
کہ اب حضور پہ لوگوں کو اعتبار نہیں

یہ چور نہیں، یہ افسر ہے

کپڑوں کا گٹھا سر پر ہے   اک کھاٹ بھی اُس کے اُوپر ہے
اور اس کے اوپر بستر ہے   اِک تکیہ ہے اِک چادر ہے
یہ چور نہیں، یہ افسر ہے

کل اِس گاؤں میں آیا تھا   اس کھاٹ پہ اسے سلایا تھا
اور بستر خوب جمایا تھا   اُٹھا ہے تو سب کچھ لے کر ہے
یہ چور نہیں، یہ افسر ہے

اب اس گاؤں سے جائے گا   یہ سب کچھ گھر لے جائے گا
اور جورو سے فرمائے گا   اس کھاٹ کے نیچے شوہر ہے
یہ چور نہیں، یہ افسر ہے

کل چور یہاں گر آئیں گے   اور بیٹھک خالی پائیں گے
تو شرمندہ رہ جائیں گے   احسان یہ تھوڑا ہم پر ہے
یہ چور نہیں، یہ افسر ہے

اک چور جو مال چراتا ہے   چور اس کو پکڑنے آتا ہے
اور باقی یہ رہ جاتا ہے   تقدیر کا اُلٹا چکر ہے

یہ چور نہیں، یہ افسر ہے

ایک افسر صاحب رات بسر کرنے کے لیے ایک کسان کے ہاں ٹھہرے صبح اُٹھ کر انھوں نے وہ پلنگ اور بستر جس میں سوئے تھے اپنی گاڑی میں رکھوا لئے اور رفوچکر ہو گئے سوءِ اتفاق سے شاعر بھی اسی گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا اس پر یہ نظم ہوئی۔

میں بُزدل ہوں

بچھو سے مجھے ڈر لگتا ہے		اور سانپ سے سانس اکھڑتا ہے
جب باؤلا کُتا بڑھتا ہے		دل زور سے دھک دھک کرتا ہے

حق بات یہ ہے، میں بزدل ہوں

جب بچھو ڈنک چلاتا ہے		جب سانپ زباں لہراتا ہے
جب کُتا دانت دکھاتا ہے		تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے

حق بات یہ ہے، میں بزدل ہوں

جاہل کی زباں سے ڈرتا ہوں		اندھے کی کماں سے ڈرتا ہوں
مُرغی کی اذاں سے ڈرتا ہوں		آوازِ سگاں سے ڈرتا ہوں

حق بات یہ ہے، میں بزدل ہوں

یہ خستہ حال زمینوں کا،		برباد سکون مکینوں کا
اور اُس پر ظلم کمینوں کا		خاموش نظارہ تینوں کا

حق بات یہ ہے، میں بزدل ہوں

جب فطرت شور مچاتی ہے اور فرض کی جوت جگاتی ہے
تو بچوں کی یاد آتی ہے ماتھے پہ پسینہ لاتی ہے

حق بات یہ ہے، میں بزدل ہوں

★

شاعرانہ ترنگ میں وہ نظم تو کہہ گیا جس کا عنوان ہے "یہ چور نہیں، یہ افسر ہے،" مگر پھر دل ڈرا کہ وہ افسر ہے، با اختیار ہے، کہیں کسی غنڈے سے پٹوا ہی نہ دے۔ اس خوف سے رات بھر نیند نہ آئی۔ اس خوف کی حالت میں یہ شعر کہے۔

لیڈر کی چال

"وہ سودے سخنگوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اِک بے مثال
لکھی اس نے ہے نظم اِک لاجواب
دکھائی ہے شکلِ روانی آب"
جو یہ نظم گزری الہ باد سے
ملی داد اکبر سے استاد سے
مگر داد ایسی کہ دنیا کہے
کہ اِک ساتھ دونوں کے دریا بہے
"وہ سودے کا طوفان آبِ لوڈور
یہ بحر خیالات اکبؔر کا زور"
مگر اب وہ ماحول نایاب ہے
میرے عہد کا بحر پایاب ہے
میری طبع میں وہ رسائی نہیں
مہیّا فنِ ناخدائی نہیں

مجھے مست رکھا خیالات نے
مگر یہ دیا درس حالات نے
بڑی شان دریا کے دھارے میں ہے
مگر عافیت تو کنارے ہی ہے
میرے دل کو دریا کی موجوں سے کام؟
مرا بحر کو دُور ہی سے سلام!
کیا ایسے مضمون کا انتخاب
کہ ہوں اُس کے ماحول میں بار یاب
اگرچہ ہوں میں کاردانی میں ہیچ
مجھے یاد ہیں اس کی زلفوں کے پیچ
میرے پیش رو صاحبانِ یقیں
ہوئے قعرِ دریا کے بے شک امیں
مگر میں کہ خشکی کا ہوں جانور
ہے خشکی سے محدود میری نظر
جو آیا ہے باسی کڑھی میں اُبال
تو مضمون سوجھا ہے لیڈر کی چال

"جو تھیں دقتیں کر چکا بر ملا"
غرض دیکھئے اب یہ لیڈر چلا

وہ چاندی کے چمچے سے پیتا ہُوا
نظر آیا دائی کو جیتا ہُوا
وہ شیشے کے کمرے میں پلتا ہُوا
رہا گودیوں میں مچلتا ہُوا
ذرا سی حرارت سے تپتا ہُوا
وہ تاروں کی ضو میں پنپتا ہُوا
ٹھٹھرتا ہُوا سردیٔ آہ سے
بکھرتا ہُوا گرمیٔ واہ سے
وہ کیلے پہ کیلا نگلتا ہُوا،
فروٹ اور انڈوں پہ پلتا ہُوا
منوں شہد چٹ کر کے جاتا ہُوا
ٹنوں دودھ مکھن اڑاتا ہُوا
نظر آیا گرتا سنبھلتا ہُوا!
وہ کپّا سابن کر نکلتا ہُوا

بزرگوں کے سائے میں تنتا ہُوا
بگڑتا ہُوا اور بنتا ہُوا
قیادت کے دستور پڑھتا ہُوا
قیادت کے رستے پہ بڑھتا ہُوا
مشقت سے پہلو بچاتا ہُوا
تمناؤں کے گیت گاتا ہُوا

*

سیاست کو آساں سمجھتا ہُوا
بڑوں کی سمجھ سے الجھتا ہُوا
بڑی جبت کا ذکر کرتا ہُوا
بڑی جبت سے دل میں ڈرتا ہُوا
قیادت کو میراث کہتا ہُوا
اسی رَو میں دن رات بہتا ہُوا
مگر سخت کوشی سے بچتا ہُوا
رذیلوں کی نظروں میں جچتا ہُوا
نہ موٹر سے ہرگز اترتا ہُوا
سبھی کام موٹر میں کرتا ہُوا

حکومت کے آگے دبکتا ہُوا
حکومت کی "ہُوں" سے سرکتا ہُوا
خوشامد سے سب کو رجھاتا ہُوا
یونہی کانپتا تھرتھراتا ہُوا
ارادوں کو دل میں دباتا ہُوا
فسادوں کے فتنے جگاتا ہُوا

خدا کا بہت نام لیتا ہُوا
بتوں کو جگہ دل میں دیتا ہُوا
"دولتِ کامیابی" پہ مرتا ہُوا
اُسی کے تلون سے ڈرتا ہُوا
اُسی کی محبت چھپاتا ہُوا
اُسی کو جبیں میں بساتا ہُوا
مگر ساتھیوں سے نہ کہتا ہُوا
ہمیشہ ہی خاموش رہتا ہُوا
انہیں کے سے نعرے لگاتا ہُوا
انہیں کے سے سب گیت گاتا ہُوا

امیروں کے گن گنگناتا ، ہوا
غریبوں کو اُلّو بناتا ہوا
کسی سے محبت نہ کرتا ہوا
کسی سے مروّت نہ کرتا ہوا
فساوات کو دوست رکھتا ہوا
ہر اک چیز اِس پہ پرکھتا ہوا
فسادات کی رَو میں بہتا ہوا
فسادات کو "امن" کہتا ہوا
وزارت کے گھر میں اٹکتا ہوا
صدارت کے در پہ لٹکتا ہوا
حکومت کی سیڑھی پہ چڑھتا ہوا
ہزاروں کرشموں سے بڑھتا ہوا
بزرگوں کو پامال کرتا ہوا
عزیزوں کو بدحال کرتا ہوا
پرایوں سے پینگیں بڑھاتا ہوا
اور اپنوں کے چھکّے چھڑاتا ہوا
نئے دوست سے مُسکراتا ہوا

پُرانے سے آنکھیں چراتا ہُوا
وہ وعدوں کے چکر چلاتا ہُوا
غریبوں کو اُن میں پھنساتا ہُوا
وہ وعدوں سے خود ہی مُکرتا ہُوا
غریبوں پہ الزام دھرتا ہُوا
بدو نیک یکساں سمجھتا ہُوا
ہر اک سے برابر الجھتا ہُوا
کسی کو نظر میں نہ لاتا ہُوا
امیدوں پہ بجلی گراتا ہُوا
وہ سازش کے موٹر اڑاتا ہُوا
تشتت کے مرغے لڑاتا ہُوا
غریبوں کے خوں میں نہاتا ہُوا
لپکتا ہُوا مُسکراتا ہُوا
مگر خطرے کی بُو کو پاتا ہُوا
گیا بھاگتا لڑکھڑاتا ہُوا
ادھر جوش سے ہنہناتا ہُوا
ادھر خوف سے گڑگڑاتا ہُوا

اُدھر فخر سے دندناتا ہُوا
اِدھر کانپتا دم ہلاتا ہُوا
معابد میں تقریر کرتا ہُوا
مجالس میں تدبیر کرتا ہُوا
وہ لفظوں میں معنی چھُپاتا ہُوا
سُلانے کو قصّے سناتا ہُوا
کبھی کان کی لَو پکڑتا ہُوا
کبھی جُھک کے چلتا سکڑتا ہُوا
پرندے کی آہٹ سے ڈرتا ہُوا
چلا جھکتا اور آہیں بھرتا ہُوا
ستاروں کو الزام دیتا ہُوا
ہزاروں کو الزام دیتا ہُوا
چھپانے کو سر جا نہ پاتا ہُوا
گھسا گھر میں چھپتا چھپاتا ہُوا
پلنگڑی کے نیچے دبکتا ہُوا
رہا بڑبڑاتا بلکتا ہُوا
محافظ کو دشمن سمجھتا ہُوا

بچارے سے ہردم اُلجھتا ہُوا
تلے چار پائی کے سوتا ہُوا
اور امید کے بیج بوتا ہُوا
سمجھتا ہُوا ملک کو بے بصر
سمجھتا ہُوا قوم کو جانور
امیدوں کی کشتی میں بہتا ہُوا
بُرے وقت کے رنج سہتا ہُوا
کسی سمت اب بھی ہے لیڈر رواں
نہ اس سے نہیں بے خبر این و آں
اگرچہ ہو تم اس سے اب بے خبر
نہیں بھُول سکتا تمہیں وہ مگر

*

اُلّو اور الاٹمنٹ

مضحکہ خیز کوئی بات نہ ہو
زندگانی سپاٹ ہو جائے
خار و خس ہوں اگر نہ صحرا میں
شہر سے جی اُچاٹ ہو جائے
میں نے اُلّو کو باغ میں دیکھا
جیسے مخمل میں ٹاٹ ہو جائے
کہہ رہا تھا خدا کرے اپنا
اب امیرانہ ٹھاٹ ہو جائے
دی ہے درخواست مجھ کو بُلبل کا
آشیانہ الاٹ ہو جائے

*

کلرک کہتا ہے

(۱)

لکھا ہے لفظ جس کاغذ پہ صاحب نے "دیانت" کا
کرایا ہے ہمیں احساس اِک "فوری ضرورت" کا
نشاں چسپاں کیا ہے ساتھ ہی اپنی "ہدایت" کا!!
ذرا ٹکراؤ ہولے اُس کی طاقت اپنی خصلت کا
وہ کاغذ جب ہمارے پاس آیا ہم بھی دیکھیں گے

(۲)

ہے سائل خوش کہ اُس کا رابطہ قائم ہے افسر سے
اسی کے بل پہ وہ احکام لکھوائے گا اُوپر سے
دکھائیں گے اُسے ہم کچھ نہیں ہوتا ہے باہر سے
اگر قسمت ہو اچھی کام بن سکتا ہے اندر سے
وہ کاغذ جب ہمارے پاس آیا ہم بھی دیکھیں گے

۳

اُسے دعویٰ بہت ہے دفتری روڑے ہٹانے کا
ہماری ناروا ابجیکشنوں سے جاں چھڑانے کا
گھٹا کر اپنی محنت قیمتی ٹائم بچانے کا
ہمارے سر سے اوپر حکم صاحب سے لکھانے کا
وہ کاغذ جب ہمارے پاس آیا ہم بھی دیکھیں گے

۴

ہمیشہ ہی سے سُنتے آئے ہیں اُوپر سے تقریریں
کبھی بدلی نہیں دیکھی ہیں تقریروں سے تقدیریں
دکھائی جاتی ہیں اکثر بہت خوش رنگ تصویریں
سمجھتے ہیں جنہیں سب کاتبِ قسمت کی تحریریں
وہ کاغذ جب ہمارے پاس آیا ہم بھی دیکھیں گے

۵

وہ فرماتے ہیں ساری ختم قیل و قال جب ہو گی
شکایت افسروں کے نام پر ارسال جب ہو گی
ڈریں اس وقت سے ہم پرسشِ احوال جب ہو گی
ہمارے نامۂ اعمال کی پڑتال جب ، ہو گی
وہ کاغذ جب ہمارے پاس آیا ہم بھی دیکھیں گے

حُور کا دوسرا رخ

تسلیم ہے یہ بات کہ وہ حُور حسیں ہے،
اس سے مگر اولاد کا اِمکان نہیں ہے

صَوتی اثرات

ہم کو اپنی بات کی پچ ہے
ہم جو کہتے ہیں سب سچ ہے
دن دنا دن - دن دنا دن
سن لیں دیس کے سب نرناری
ہار اُن کی ہے جیت ہماری
ٹن ٹنا، ٹن، ٹن ٹنا ٹن
سُن لے وہ جس میں ہے ہمت
جس کی طاقت اس کی دولت
کھن کھنا، کھن کھن کھنا کھن
دیس کا سونا ہو یا چاندی،
آج سے ہر شے اپنی باندی
چھن چھنا چھن، چھن چھنا چھن
کون ہمارے سامنے آئے
جو آئے سو منہ کی کھائے

گن گنا گن ، گن گنا گن
کہتے تھے سب کچھ ہے اپنا
کیسا ٹوٹا سندر سپنا
ٹھن ٹھنا ٹھن ۔ ٹھن ٹھنا ٹھن
بادل گرجے ، بادل برسے
بد قسمت اِک بوند کو ترسے
گھن گھنا گھن ، گھن گھنا گھن

ڈاکٹر کا عبرتناک نام

چھپا کے گولیاں رکھتا ہے جو مریضوں سے
کوئی نہ زندہ بچے جس کا یہ ارادہ ہے
بتاؤں آپ کو اُس ڈاکٹر کا عبرتناک نام
سؤر کا بچّہ ہے وہ اور حرام زادہ ہے

حقیقتِ حال

یہ ہے حقیقت بیش نہ کم،
جس کی لاٹھی اس کے ہم،
ہم ہیں ایک بہادر قوم،
ڈرتے ہیں بس توپ سے ہم
کس کو ہے اتنی فرصت
یاد کرے ماضی کے ستم
اب تو سستا دودھ پیو
بھول کے مستقبل کے غم
فضلِ خدا کا قصّہ پاک
قہرِ خدا آئے جم جم
اکبؔر کے ہونٹوں پہ ہنسی
آج ہے اور آنکھیں پُرنم

یہ قوم کا غم کھانے والے نمبر ۱

بعض ایسے ہیں کبھی قوم کا غم کھاتے ہیں،
بعض ایسے ہیں کہ کھاتے ہی چلے جاتے ہیں
ممبری ہو کہ وزارت، کہ صدارت کی بلا
اور بھی راہ میں کچھ سخت مقام آتے ہیں
قوم کے غم سے گرانی ہو اگر معدے میں
قوم کے خون کے دو گھونٹ بھی پی جاتے ہیں

یہ قوم کا غم کھانے والے نمبر 2

وہ مچلتے ہیں کہ ہم قوم کا غم کھائینگے
اور یہ غم کھاتے ہوئے اوروں کو ترسائینگے
قوم نے اپنا کسی اور کو غم کھانے دیا
عین ممکن ہے کہ ہم قوم کو کھا جائیں گے

ھم

ہم بھی زندہ باد ہیں اور قحط بھی زندہ باد ہے
ہم بھی بڑے اُستاد ہیں اور یہ بھی بڑا استاد ہے
ہم سے پہلے اس دُنیا میں شادابی، ارزانی تھی
ہم ہی نہیں تھے اس دنیا میں ہم کو اتنا یاد ہے
چیلوں اور کوّوں سے ہماری صلح ہے کوئی جنگ نہیں
اپنی جنگ تو اُس سے ٹھنی ہے جو کوئی آدم زاد ہے
اپنے لیے ہیں کیف کا سامان، اپنے لیے ہے بہشتِ نظر
جن آنکھوں میں اشک بھرے ہیں، جس لب پر فریاد ہے
بس ہے وہی ہم پیشہ اپنا، وہ ہمراز ہمارا ہے
جو کوئی ہے زیست کا دشمن جو کوئی صیّاد ہے

صاحبِ موصوف بات بات پر اپنے لیے "ہم" کا لفظ استعمال فرماتے تھے

یاروں کے ارمان

٭

کریما ببخشائے برحالِ ما — کسی دن تو ہٹلر کو ہم سے ملا
لگا کر اُسے ہتھکڑی بیڑیاں — مگر فوجیوں نے ہو جکڑا ہُوا
نہ پاس اس کے اس وقت ہتھیار ہو — نہ خفیہ نہ ظاہر نہ چھوٹا بڑا
حفاظت کا جب ہو چکے انتظام — نہ رہ جائے کوئی بھی کھٹکا ذرا
چلے آئیں توپوں کے سائے میں ہم — کھڑا ہو وہ لاچار بیکس بندھا
ذرا اور بھی یہ کریں احتیاط — ہٹا کر کریں دُور اُس کو کھڑا
اُٹھائیں وہ پھر خاندانی غُلیل — کبھی ہو نہ جس کا نشانہ خطا
چڑھائیں وہ غُلّہ جو ہو خانہ ساز — نشانہ ہو پھر ناک کر ناک کا
لگے ایسا غُلّہ بفضلِ خُدا — کہ بانسا اُڑے صاف ہی ناک کا
نظر آئے باطل کی ایسی شکست — کہ نعروں سے گونج اُٹھیں ارض و سما
جدھر جائیں ہم لوگ آنکھیں بچھائیں — ہمیں دیکھ کر سب کہیں مرحبا
مگر تو ہی قادر ہے مولا کریم — جو چاہے تو یہ دن بھی دیوے دکھا
پڑے ہیں تیرے در پہ زار و نزار — غریبوں کی ہے بس یہی اک دُعا

جو پانی ہو ہٹلر نے یارب، تو پائے
ہمارے ہی ہاتھوں کئے کی سزا

کریا تو ہٹلر کے چھکے چھڑا — اور اس کی جگہ ہم کو ہٹلر بنا
ہمیں بھی ہو حاصل وہی رعب و داب — وہی فتح و نصرت بوقتِ وغا
ہماری بھی ایسی ہی یلغار ہو — ز افریقہ تا ساحلِ ایشیا
ہمیں بھی وہ دے خوفناک اسلحہ — کہ رشتہ بندھا جن سے ہو موت کا
ہمارے بھی دشمن ہوں خوار و زبوں — نہ جانے کو رستہ نہ رہنے کو جا
اگر التجا ہو ہماری قبول — تو اے خالق و مالکِ دوسرا
ہماری بھی کچھ آرزوئیں بر آئیں — جنہیں ہم نے رکھا ہے دل میں چھپا
کریں دشمنوں کو نہ مغلوب یوں — کہ اُن کا ملے پھر جہاں کو پتا
کریں محو یوں ان کا نام و نشان — کہ پوتے نہ لیں نام اجداد کا
بدل ڈالیں یوں ان کی تاریخ کو — کہ ہو شرمسار اُس سے چھوٹا بڑا
جہاں اُن کی عظمت کے دیکھیں نشان — وہاں ایسی حکمت سے دیں ہل چلا
کہ اُن کے جواں فخر سے یوں کہیں — زراعت ہے اپنے لئے کیمیا

ہمارے جو اعمال مشہور ہوں
کہیں سب کہ ہٹلر کو آنا تھا کیا،

نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھیں

عین اس وقت جب ہٹلر کی فوجیں جرمنی سے فاتحانہ یلغار کر کے سارے یورپ پر چھا چکی تھیں بلکہ لوگ یورپ کو ہٹلر کا قلعہ کہنے لگے تھے۔ پنجاب کے بڑے وزیر اور راجہ بیکانیر نے بھی ہٹلر کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ مگر ان دو اصحاب کا انگریز کی حمایت کو نکلنا ایسا تھا جیسے ہاتھی کی ٹانگوں کے پاس ہی امداد کے لیے دو چوہے کُھد کتے پھرتے ہوں اس موقع پر یار لوگ جب ہزاروں میل دُور کھڑے ہو کر ہٹلر کی فوجوں پر تاک تاک کر مکّے تانتے تھے تو ایسے عالم میں شاعر نے ان بہادروں کے جذبات کی ترجمانی کی۔

ڈاکوؤں کو مشورہ

(روحِ ہٹلر سے معذرت کے ساتھ)

او قاتلو او ڈاکوؤ او بدمعاش لڑاکوؤ
او ظالمو، او رہزنو، اِنسانیت کے دُشمنو
شیطان کے فرمانبرد ہر دینِ حق کے کافرد
تم نے یہ سوچا ہے کبھی دُنیا ترقی کر گئی
کل تک جو بے سامان تھے دُنیا میں سرگرداں تھے
ہیں اہلِ قوت آج وہ قوموں کے ہیں سرتاج وہ
بدلے ہیں عزت کے نشاں بدلا ہے رنگِ آسماں
تم بھی اگر سوچو کبھی کیا چیز ہے یہ زندگی
یکسر بدل سکتی ہے یہ سانچے میں ڈھل سکتی ہے یہ
یہ بندشیں یہ پھانسیاں یہ سختیاں یہ قُرقیاں
یہ واقعہ ہے بے گماں ہو سکتی ہیں منسوخ، ہاں!

لیکن زمانے کی ہوا کو دیکھ کر چلنا ذرا
دنیا کو جو مرغوب ہے ہر شخص کو مطلوب ہے
اس بات پر کرنا عمل سب عقدے ہو جائیں گے حل
اک ملک کے اشرار کی مل کر بنا لو پارٹی

اب چھوڑ دو افراد کو اِک ایک پر بیداد کو
چڑھ دوڑو پھر اقوام پر انسانیت کے نام پر
اب پھینک دو تلوار کو اس بے اثر ہتھیار کو
تیغِ زباں سے کام لو اے ہونے والے فاتحو
کہہ دو یہی تہذیب ہے مقصد فقط تادیب ہے

سورج مُکھی کا پھُول

حُسن کی تاثیر کا منکر ہو جو بدذوق ہے،
عشق کی جو راہ روکے وُہ سراسر "فول" ہے
آفتابِ حُسن سے نظریں ہٹا سکتا نہیں
سینۂ اکبرؔ میں دِل سورج مُکھی کا پھُول ہے

چھوٹے۔ بڑے

مسائل کے ہر سمت جھنڈے گڑے ہیں
مسائل کے بیمار بے بس پڑے ہیں
وطن کی تباہی کا باعث نہ پوچھو
کہ لیڈر ہیں چھوٹے مسائل بڑے ہیں

دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی

(تاریخ کے خوفناک ترین سیلاب کی یاد میں)

دیر سے اُس کا یہ کاروبار تھا لاہور میں
آ گیا اور دودھ میں پانی ملا کر دے گیا
آج دِل کڑھتا ہے اکبرؔ اُس کے حالِ زار پر
پانی آیا اور بھینسوں کو بہا کر لے گیا

چوروں میں پھوٹ

پھوٹ پڑے ہیں چور سادھو خوب ہوا
اُس نے کہا بس تو ہے لُٹیرا
اِس نے کہا تو ساتھی میرا
اُس نے کہا تو سخت اندھیرا
اِس نے کہا تو کب ہے سویرا؟
خوب مچا ہے شور، سادھو خوب ہوا؟
پھوٹ پڑے ہیں چور، سادھو خوب ہوا؟
اُس کی صدا بجلی کا کڑکا
یہ بولا اُس کا دِل دھڑکا
اُس نے دکھایا زور رگڑ کا
اِس کو سہارا پکّی جڑ کا
خوب لگے ہیں زور، سادھو خوب ہُوا
پھوٹ پڑے ہیں چور سادھو خوب ہُوا

کھیتی ہیں سرشار فضائیں
ہونے لگی ہیں دور بلائیں
چلنے لگی ہیں سرد ہوائیں
چھائی گھٹا گھنگور، سادھو خوب ہوا
پھوٹ پڑے ہیں چور، سادھو خوب ہوا
کام نہ دے گی اب غمازی
یا غیروں کی حیلہ سازی
لائے یار نئینگ جہازی
ختم ہوئی چوروں کی بازی
کٹنے لگی ہے ڈور، سادھو خوب ہوا

ایک سیاسی پارٹی میں پھوٹ پڑ گئی۔ پھوٹ پڑتے ہی کچھ لوگ مخالف بنچوں پر جا بیٹھے اور کچھ سرکاری بنچوں پر رہ گئے۔ مخالف بنچوں پر جا بیٹھنے والوں نے اپنے کل کے ساتھیوں پر نہایت گھناؤنے الزامات لگانے شروع کر دیئے اور یہ بھول بیٹھے کہ وہ خود کل تک ان کے سب کرتوتوں میں برابر شریک رہے تھے۔ اس پر سادھوؤں کی ایک ٹولی ایوانِ نمائندگان سے باہر جمع ہو گئی۔ سادھوؤں نے چمٹوں اور کھڑتالوں سے یہ نظم گا کر سماں باندھ دیا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

(روحِ اقبال رح سے معذرت کے ساتھ)

"زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا"
بس اور کپڑا نہ سل سکے گا جو تن پہ ہے تار تار ہوگا
تلاشِ گندم کو گھر سے نکلے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
پلٹ کے آیا تو سب کے پہلو میں اک دلِ داغدار ہوگا
قصائی بکرے کا گوشت لے کر سبھی ہمالہ پہ جا چڑھیں گے
جو ان کا پیچھا کرے گا گھس پس کے ایک مشتِ غبار ہوگا
مٹھائی اسّی روپے کی سیر اور "لاٹری" میں ملا کرے گی
جو عہد حلوائیوں سے باندھا گیا تھا وہ اُستوار ہوگا
چڑھے گی قیمت وہ جوتیوں کی نہ کوئی اُن تک پہنچ سکے گا
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہوگا
کفن کی قیمت سُنیں گے مُردے تو اس صدمے سے جی اٹھینگے
جنازہ اُٹھے گا اب کسی کا نہ اب کسی کا مزار ہوگا
گُل کے سر جس کا چور بازار بند کرنے کی آرزو تھی
سُنا ہے اک آڑھتی سے ہم نے وہ سانپ پھر ہوشیار ہوگا

نہ پوچھ اکبرؔ کا کچھ ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُسکی
یہیں کسی چوک میں کھڑا قیمتوں کا شکوہ گزار ہو گا

"کامیابی"

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی"
یہ نکتہ سُن کے شاعر سے ہوئے گرمِ عمل ہم بھی
شبانہ روز کوشش سے جہنم تو بنا ڈالا
ہوا ہے بے طرح برباد جس سے امنِ عالم بھی
رہی جنت سو وہ بھی دیکھ لینا بن ہی جائے گی
مواقع جس کے ہیں موجود اِس جا بیش بھی کم بھی
اگر ہم سے جہنم تو بنا جنت نہ بن پائی
نہیں یہ شے ہمارے واسطے کچھ باعثِ غم بھی
ہوئی کس کام کی تکمیل اس دُنیا میں ساری ہے
ہوئی ہے کامیابی جس قدر اتنی ہی پیاری ہے

اشرف المخلوقات

شعر دل پر اثر نہیں کرتا　　نغمہ سینے میں گھر نہیں کرتا
نقش کچھ آنکھ پر نہیں کرتا　　درد آشفتہ تر نہیں کرتا

چشم بد دور آپ پتھر ہیں

نالہ کرتا ہے گر کوئی سائل　　سینہ ہوتا ہے شور سے گھائل
بات سننے پہ دل نہیں مائل　　طبع انصاف کی نہیں قائل

چشم بد دور آپ خچر ہیں

ہر کسی سے ہے نفع کی امید　　نفع مطلوب دید ہو کہ شنید
دوستی میں ہے منفعت کی کلید　　یہ نہ پوچھا حسینؑ ہے کہ یزید

چشم بد دور آپ تیتر ہیں

کنجِ گلشن نہیں کتاب نہیں　　زندگانی میں ماہتاب نہیں
کوئی احساس لاجواب نہیں　　کوئی مقصود دیریاب نہیں

چشم بد دور آپ مچھّر ہیں

بے حس و بے شعور ہے پتھر　　اِک سراپا فتور ہے خچر

بے مروّت ضرور ہے تینز علم و عرفان سے دُور ہے مچھر
چشم بدور آپ بڑھ کر ہیں

خُدا کے واسطے

ہیرا منڈی میں جو رو رو کر لگاتا تھا صدا
دل مرا کڑھتا ہے اب تک اس گدا کیواسطے
خواب میں آ کر چمٹتی ہے جو مُجھ سے بار بار
اک نظر مجھ کو دِکھا ہی دو خُدا کے واسطے

یہ افسری کا ٹوکرا

یہ افسری کا ٹوکرا میں نے جو ہے سر پر دھرا
مجھ کو نظر آتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں

گردن کے پٹھے تن گئے اس ٹوکرے کے بوجھ سے
مجھ سے مڑا جاتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں

گھنٹوں سے ہے کوئی کھڑا منہ افسری کا تک رہا
مجھ کو نظر آتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں

اک روز میرا ٹوکرا سر سے میرے گر جائے گا
دل اس سے شرماتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں

افسر میرا شیطان ہے میری اُسے پہچان ہے

دھوکا کبھی کھاتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں
ماتحت میرا تیز ہے   منظر یہ یاس انگیز ہے
پلیشی سے گھبراتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں
تنہائیوں کا راج ہے   کتنا اندھیرا آج ہے
دِل پھر بھی گھبراتا نہیں
تم کو نظر آتا نہیں

اِک افسر نے بہت اِصرار کیا کہ کبھی ہمیں بلاکرو۔ گیا تو انہوں نے ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی جیسے پہچانتے نہ ہوں۔ فوراً لاحول پڑھ کر کمرے سے نِکلا اور یہ نظم فی البدیہہ کہہ کر دِل کی بھڑاس نکالی۔

دانش ور گھوڑا

بے دانش نے بگھی میں — گھوڑے جوڑا دانشور
جب چاہا تب ڈالی گھاس — جب چاہا مارا ہنٹر
صاف سڑک ہو اور سیدھی — یا ہو کچی اور کنکر
بے دانش جس سمت چلائے — گھوڑا جائے جھکا کر سر
بگھی چلے پون کی چال — فٹ فٹ فٹ فٹ فر فر فر
ایک گدھے نے دیکھا حال — اور کہا یہ رو رو کر
دانش ور گھوڑے اے کاش — تو ہوتا دنیا میں خر
تجھ میں ہوتی کوئی ہٹ — یا ہوتا اڑیل خچر

بے دانش مردود کبھی
سب کو نہ دے سکتا چکر

اِمتحان

کہنے لگیں وزیر بنے ہیں وہ آن میں
کتنا بڑا اِضافہ ہے یہ اُن کی شان میں
میں نے کہا کہ اس میں تو عزت نہیں کوئی
قدرت نے اُن کو ڈال دیا امتحان میں
عزت تو ہوگی آپ کی جب پاس ہوگئے
کیا فائدہ جو مستکفِ یاس ہوگئے

زراعت کی رغبت
اور
صنعت سے نفرت کی تلقین

بڑھاؤ زراعت کی عادت زیادہ
کہ پاؤ گے روزی میں برکت زیادہ
چلائیں گے ہل اور کھائیں گے مکّی
تو ہوگی جوانوں کی ہمت زیادہ
کریں گے نلائی اگر کھیتوں میں
تو بوڑھوں میں آئے گی قوت زیادہ
ملے سب کو دن میں جو اِک بار روٹی
تو آئے گی کھانے میں لذت زیادہ
"زمیندار" لکھا ہو ماتھے پہ سب کے
تو ہو قوم کی شان و شوکت زیادہ
اسی میں ہے بس خیر اِن بیکسوں کی

کریں لوگ صنعت سے نفرت زیادہ
بجائے اسے چمنیوں کے دھوئیں سے
خدا کی ہو ملّت پہ رحمت زیادہ
بڑے سیٹھ اور کارخانوں کے مالک
کہ جن کو ہے دولت سے الفت زیادہ
یہی چاہتے ہیں کہ ان بستیوں میں
زراعت سے ہو جائے صنعت زیادہ
زباں سے اگرچہ یہی کہہ رہے ہیں
ملے گی غریبوں کو اُجرت زیادہ
بنا کر کسانوں کو مزدور لیکن
لیا چاہتے ہیں مشقّت زیادہ
چھپاتے ہیں یہ راز کی بات ان سے
کہ صنعت وری میں ہے ذلت زیادہ
کسانوں کے بیٹوں کا مزدور بننا
فلاکت سے ہے یہ فلاکت زیادہ
ذرا حال اقوامِ عالم کا دیکھو
کہ جن کو ہے صنعت کی عادت زیادہ

یہی کیفیت پاؤ گے سب کے گھر کی
محبت ہے کم اور نفرت زیادہ
بنے مال تو جستجو منڈیوں کی
مشقت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
اسی کے کرشمے ہیں جو دیکھتے ہو
زمانے میں قتل اور غارت زیادہ
غرض کیا کہیں کیا مصیبت ہے صنعت
بیاں میں ہوئی ہے طوالت زیادہ
"مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ"

مغربی اقوام جن میں انگریز پیش پیش ہیں ہمیشہ بڑے زور شور سے برِّ صغیر پاک و ہند کے رہنے والوں کو زراعت کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ مالکانِ اراضی کے لیے زمیندار کا پر شکوہ خطاب ان کی طرّے دار پگڑیوں کا امتیازی نشان اور ان کے پیشے کی مخصوص شان جتا جتا کر اُن کے درمیان بہم پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ زراعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھیں اور جو کوئی انہیں صنعت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے اُسے

اپنا بدخواہ سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ مغربی اقوام اپنے اس رویے میں دیانت دار نہیں ہیں اور زراعت، زراعت کا شور مچا کر وہ اس امر کی طرف سے مطمئن ہو جانا چاہتے ہیں کہ اس اقلیم کے باشندے کبھی صنعت کی طرف متوجہ ہو کر مغربی اقوام کے مقابلے میں نہ آسکیں اس نظم میں ان کے اس رویے کا شاعرانہ نوٹس لیا گیا ہے۔

مَیں نشّے میں ہوں

اس وقت جا رہا ہوں میں اک تیز کار میں،
اور تم کھڑے ہوئے ہو یہاں راہگذار میں
کیا جانو تم ہے کون میرے انتظار میں
دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں
یارو مجھے معاف رکھو میں نشّے میں ہوں

اللہ کے کرم سے مرا قصر ہے بلند
جس پر ہے ہر مصیبت و آفت کی راہ بند
دکھڑے سنا کے کیوں مجھے کرتے ہو دردمند
تکلیف سے تمہاری مرا چَین ہے دوچند
یارو مجھے معاف رکھو میں نشّے میں ہوں

کرنے ہیں جمع جس کو گزارے ہیں ماہ و سال
دوں یا نہ دوں کسی کو میرے باپ کا ہے مال
اس پر عبث ہے چند فقیروں کی قیل و قال

ان کی تو صورتیں بھی ہیں کچھ باعثِ ملال
یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں

اپنی طرف سے کرتے ہیں معقول گفتگو
اظہار علم و فضل ہے طاقت کے رُوبرو
جھنڈے گڑھے ہیں جن کی فضیلت کے چارسُو
اُن کے حضور مشورے بکنے کی آرزو
یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں

چھیڑی ہے کن کے پاس فرائض کی داستان
جن کی نظر ہے حاویِ اسرار کُن فکاں
جن کی نظر کے نُور کے آگے نہیں نہاں
جو راز بادلوں سے چھپاتی ہیں بجلیاں
یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں

میں جانتا ہوں کیسا ہے برہم مزاجِ دہر
پڑتی ہے راستبازوں پہ ہر سُو نگاہِ قہر
اکبرؔ مجھے اٹھاتی ہے جب شاعری کی لہر
میں رات کو تو کہہ نہیں سکتا کبھی دوپہر
یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں

نوٹ انگلے صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

ایک بہت بڑے صاحب کی خدمت میں بعض عالی مرتبہ قانونی شیروں نے عرض کیا کہ حضور مناسب خیال فرمائیں تو اہم امور میں ہم خاکساروں سے بھی مشورہ طلب کر لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ "ہم اپنے فرض کو خوب جانتے ہیں ہمیں تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں" صاحب نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا؟ اِس نظم میں وجہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حُسن کی خیرات

رنڈیوں کو حضرتِ واعظ کہیں بےشک بُرا
سامنے رکھیں مگر انسان کی اوقات بھی
کچھ لُٹا دیتے ہیں آ کر اس گلی میں نقدِ جاں
بعض اِن سے مانگتے ہیں حُسن کی خیرات بھی

ایک مشہور شاعر کے پاس جب پورے دام نہ ہوتے تھے تو وہ رنڈی سے اُس کی توجہ بطور خیرات مانگتا تھا۔

تغزل بخیر

نہ کہنے پائے ہم کو نا پکارا ور خیریت گزری
ہوئے ہیں بند سب کے کاروبار اور خیریت گزری
یہ وعدہ ٹوٹنے پر جان ہی اپنی نکل جاتی
نہ تھا پہلے ہی تم پر اعتبار اور خیریت گزری
کبھی دعویٰ ہوا ہے اور نہ ہو گا صبر کا ہم کو
وہ آئے جبکہ تھے ہم روزہ دار اور خیریت گزری
تمہاری بے رخی سے بے وفا ہم بننے والے تھے
نہ تھا کچھ دِل پہ ہم کو اختیار اور خیریت گزری
رقیبوں کی جلو میں آپ آئے رات محفل میں
رہے ہم دل ہی دل میں بے قرار اور خیریت گزری
کوئی دم میں جنازہ دیکھ لیتے آپ اکبرؔ کا
نہ پایا زہر بھی اس نے اُدھار اور خیریت گزری

شاہ ایڈورڈ ہشتم اور شعرِ غالب

یہ وہ ہے جس کے عشق کی شوخی کے تذکرے
ہر وقت ہو رہے ہیں ہمارے دیار میں
یہ وہ ہے جس کے پیار کو ایسی سزا ملی
جو بے مثال ہے ستمِ روزگار میں
یہ وہ ہے جس کے دل کی لگاوٹ کے شور سے
اک دھوم سی مچی ہے صغار و کبار میں
یہ وہ ہے جس کے عزم کی سختی کے سامنے
اک زلزلہ بپا ہے دلِ کوہسار میں
جس کے عمل نے ٹانک دیا گوہرِ بقا
فانی قبائے ہستئ ناپائیدار میں
غالبؔ نے کون جانے یہ کس آن میں لکھا
"بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے"

تخریبِ تعمیر

پیہم ڈرا رہے ہیں تہذیب کے کرشمے
دہشت ہے بے بسی ہے خطرہ ہے سنسنی ہے
کہتے ہیں ایک پل میں دنیا اڑے گی بھک سے
تدبیر رو رہی ہے تقدیر ہنس رہی ہے
پروردگار تو نے تعمیر کیا بنائی
جب سے بنی ہوئی ہے تخریب میں لگی ہے

کُتّے

یہ کُتّا کُتّے پر بھونکا تو کیوں ٹھٹکا تو کیوں چونکا
کُتّا کُتّے سے لڑتا ہے دیکھتے ہی پیچھے پڑتا ہے
کون تجھے کہتا ہے عاقل تو بھی لڑائی میں ہو شامل
تیری ذات ہے اِن سے بالا تُو اِن سب کا ہے رکھوالا
ایک کو روٹی ایک کو پتھر۔ یہ جائیں اپنے اپنے گھر
ختم ہو جھگڑا بند فغاں ہو بستی میں سب امن واماں ہو

۲۲
بائیس خاندان

بائیس ۲۲ خاندان ہیں ستائش کے مستحق،
ملت کو جن کے دم سے فراغت نصیب ہے
سب مال وزر سمیٹ لیا اہتمام سے
اہلِ وطن کو جنسِ قناعت نصیب ہے
اپنے سروں پہ لے لیا اموال کا وبال
اہلِ وطن کو مژدۂ غربت نصیب ہے
وہ بدنصیب وارثِ قارون بن گئے
اور قوم کو رسولؐ کی سُنت نصیب ہے
سب سے بُرا نصیب ہے اکبرؔ کا دوستو!
اس کاروبار میں جسے حسرت نصیب ہے

پہرہ دار

شہید گنج کی مسجد کا پہرہ دار ہوں میں
کچھ اور مجھ سے نہ پوچھو کہ شرمسار ہوں میں
وہ جس نے کھائی تھی گولی اس آستاں کے لیے
وہی خلوص کا پیکر، وہ دل فگار ہوں میں
زمانے نے مجھے پہنچا دیا بیاس کے پاس
سمجھ رہا تھا کہ جنت سے ہمکنار ہوں میں
مجھے جنوں تھا فقط خدمتِ مساجد کا
اسی وسیلہ سے بخشش کا خواستگار ہوں میں
وہاں بنائیں مساجد اس اہتمام کے ساتھ
ہر ایک کہتی تھی کعبے کی یادگار ہوں میں
اجل کے خوف سے اُن سب کو چھوڑ آیا ہوں
ضمیر کی یہ صدا ہے گنہگار ہوں میں

یہ سوچتا ہوں کہ گولی سے جو نہ ڈرتا تھا
وہی ہوں مَیں کہ اب اُس شخص کا غبار ہوں مَیں
نمازیوں کے بغیر اِن کا حال کیا ہوگا
اسی خیال سے ہر وقت سوگوار ہوں مَیں
شہید گنج پہ دِن رات پہرہ دیتا ہوں
پر اس خیال سے ہر وقت اشکبار ہوں مَیں
کھڑا ہوں گرچہ نہیں اِحساسِ فرض کی خاطر
وہ چیز کیا ہے کہ اب جس کا پاس دار ہوں مَیں

ہماری تدبیریں

اپنی دُنیا کی بہت خوب خبر ہے ہم کو،
اور مشہور اکابر کو بھی ہم جانتے ہیں
ہم نے اِن ہاتھوں سے خود قیس کا سر پھوڑا ہے
اور اِن گلیوں میں جی بھر کے ستایا ہے اُسے

ہم نے اِن کانوں سے منصور کی بکواس سُنی
کہہ رہا تھا کوئی موجود نہیں حق کے سِوا
سامنے اس کے جو تھے حق کے سِوا ہم موجود
بس اسی بات پہ سولی پہ چڑھایا ہے اُسے

اِسی بستی ہی میں سقراط رہا کرتا تھا
اور کیا کرتا تھا وہ زہر بھری تقریریں
نوجواں قوم کے گمراہ ہوئے جاتے تھے

اس سے بچنے کے لیے زہر پلایا ہے اُسے

ہم نے دیکھا کہ عجب نشان سے غالب آیا
اور محسوس کیا آئے گا غالب سب پر
شمع پہنچی ہے جو اس تک تو بجھا دی ہم نے
اسی تدبیر سے خاموش کرایا ہے اُسے

ہم نے گاندھی کو کسی آگ میں جلتا پایا
اور سوچا کہ تشدد بھی نہ جل جائے کہیں
ہم نے پستول کی گولی سے اُسے ٹھنڈا کیا
اپنی دنیا کا یہ اعجاز دکھایا ہے اُسے

حشر

ہماری قوم کو فرصت نہیں لڑائی سے
یہ سوچتا ہوں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا
بُرائی سے یہ شغف ہے کہ صاف کہتے ہیں
نہ مجھ سے اور کوئی دہر میں بُرا ہوگا
بھلائی سے انہیں نفرت ہے اور بُرائی پہ فخر
کسی سے اِن کے لیے کِس طرح بھلا ہوگا
بُرائی آگ کی مانند پھیل جائے گی
یہی چلن ہے تو وہ دِن بھی دیکھنا ہوگا
خدا پرست چھپیں گے خدا خدا کرکے
مگر جو کُفر کا ہے کام بَر مَلا ہوگا
یہ دیکھتے ہو کہ ہل چل رہے ہیں قبروں میں
اب اور اس کے سِوا حشر کیا بپا ہوگا
یہ دِن دکھائے ہمیں باہمی کدورت نے

ستم جو ڈھائے زمانہ وہی روا ہوگا
کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے
جلا ہے سینہ جہاں دل بھی جل گیا ہوگا

ہیرامنڈی اور ہیرا

(صرف اہلِ لاہور کے لیے)

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
اور ہیرامنڈی کے دِل پر ہے ہیرا بے اثر

سہراب مودی کا سہرا

آج سہراب نے پہنا ہے جو بانکا سہرا
نورِ ماہتاب سے ہے نور کا پُتلا سہرا

مدتوں تمنتی رہی گھر میں تیرے اِک جھکڑی
اُسی جالے سے مقدر نے بنایا سہرا

کفُر توڑا ہے کسی خوگر یکتائی کا
اپنے اعجاز پہ پھولا نہ سمایا سہرا

دل میں آتی ہیں کبھی اسکے "پرکھ" کی باتیں
یاد کرتا ہے کبھی فلم "بھروسہ" سہرا

کیسے ایکٹنگ سے دلہن سمٹی ہوئی آئی ہے
کیسی فنکاری سے دولہا نے اٹھایا سہرا

بمبئی میں تو نہیں ہے یہ انوکھی شادی
سارے شہروں میں مگر یہ ہے انوکھا سہرا

مودی خانے سے ہمیں دیکھئے کیا ملتا ہے
ہم نے کس شوق سے کس شان کا لکھا سہرا

"پرکھ" اور "بھروسہ" سہراب مودی کی دو فلمیں تھیں جن میں ماہتاب انکے ساتھ ہیروئن آئی تھی۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یہاں ان فلموں کا ذکر بے محل نہیں۔ مشہور فلم پروڈیوسر سہراب مودی نے جب مشہور فلم ہیروئن ماہتاب سے بیاہ رچایا تو لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ایک پکے کنوارے نے ایک پکی کنواری سے کیوں یکایک شادی کرلی۔

محتسب کا حصّہ

آنے والے آتے ہی رہتے ہیں رشیم جاں کے پاس
وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ماضی کا قصّہ ہو گیا
فرق صرف اتنا پڑا یاروں کے کاروبار میں
محتسب کا بھی اب اس دھندے میں حصّہ ہو گیا

گانے بجانے کا دھندا

دوہرا بنوایا ہے رنڈی نے مکان
شیخ کو اُلّو بنانے کے لیے
ایک حصّے میں ہے گانے کا سکول
دوسرا حصّہ بجانے کے لیے

فتویٰ

سرمائے کے سر پہ بلائیں
سامنے چوروں کے ہیں سزائیں
پکڑی گئیں موروں کی خطائیں
کائیں کائیں کائیں کائیں
اتنا سونے پر اب جاگا
واہ رے تیری پھرتی کاگا

چونچ میں ہے چوری کا ٹکڑا
اور بھی کالا ہو گیا مکھڑا
سوچ کے پھیلا سوچ کے سکڑا
یاد آیا یاروں کا دکھڑا
اور بھی زور سے رونے لاگا
واہ رے تیری پھرتی کاگا

پائی ہے فطرت سے کثافت
آئی ہے قسمت میں غلاظت
اوجھل ہے نظروں سے لطافت،
مقصد ہے کوڑے کی حفاظت
اچھلا کودا دوڑا بھاگا
واہ رے تیری پھرتی کاگا

اوپر سے آیا ہے اِشارہ
نیچے سے حاجت نے اُبھارا
عادت سے مجبور بچارا
بے بس ہے قسمت کا مارا
ٹانگ میں ہے غیروں کا دھاگا
واہ رے تیری پھرتی کاگا

بات جو سچی ہے دوٹک ہے
کائیں کائیں کی کیا تک ہے
جیسی ہنڈیا ویسا ڈھک ہے

ہم سمجھے لوہے پر ٹک ہے
تم سمجھے سونے پہ سہاگہ
واہ رے تیری پھرتی کاگا

واہ کاریگر کی چترائی
دو کوڑی کی چونچ ہلائی
کردی ایمانوں کی صفائی
بوٹی قوم کے دل سے اُڑائی
اور پایا من بھاتا کھاجا
واہ رے تیری پھُرتی کاگا

اسلام کے بعض دوستوں نے فتویٰ دیا کہ سرمائے کی موجودہ فوقیت میں رخنہ ڈالنے کی ہر تجویز خلافِ اسلام اور کافرانہ ہے۔ اس پر اُن کی تواضع ان اشعار سے کی گئی۔ کیونکہ ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

امتحان

کہیں نصیب سے ملتا ہے وقت خدمت کا
اگر ملے تو یہ انعام ہے مشیّت کا

کوئی سنے تو یہ میدان امتحان کا ہے
گڑا ہے جس میں نشان آپ کی حکومت کا

یہ امتحان فقط نظمِ مملکت کا نہیں
یہ امتحان ہے یارو خلوص نیّت کا

اس امتحان میں انسانیت کا پرچہ ہے
ثبوت مانگتے ہیں قول کی صداقت کا

خدا کرے کہ تمہیں اس میں کامیابی ہو
خدا کرے کہ نہ نیّت میں کچھ خرابی ہو

"مجیب صاحب کی عوامی لیگ کے جمہوری الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے پر شعر بے ساختہ ہو گئے۔

قُفل شکن بھاگ نِکلا

میرا ہمسایہ ایک قُفلِ شکن
ڈر کے کرنے لگا جو ترکِ وطن
میں نے پوچھا یہ کیا مصیبت ہے
کام آیا نہ کوئی حیلہ و فن
بھاگتے بھاگتے کہا اس نے
سخت آفت زدہ ہوں صاحبِ من
مجھ پہ نازل ہوئی ہے ایسی بلا
میں ہوں ماشہ تو وہ ہے دو سَو من
دال گلتی نہیں ہے اب میری
آ بسا ہے یہاں اصول شکن

جلّاد کا مرثیہ

افسوس کہ دُنیا سے سفر کر گیا جلّاد؟
مُردے سبھی حیراں ہیں کہ ہیں، مر گیا جلّاد!
چھائی ہوئی قبروں پہ ہے مرگھٹ کی خموشی
بے یار و مددگار انہیں کر گیا جلّاد
اِس شہرِ خموشاں میں جو رونق تھی تو اِس سے
سُونا اسے سنسان اِسے کر گیا جلّاد
موت اوروں کی تو اُس کے لیے کھیل تھی گویا
خود موت کی بازی میں مگر ہر گیا جلّاد،
اِے ماتمیو اُس کے ٹھکانے کی نہ پوچھو
جلّاد جہاں جاتے ہیں اُس گھر گیا جلّاد

مشورے

آنکھوں کو انتظار کی زحمت نہ دیجئے
دِل کو خیالِ یار کی فرصت نہ دیجئے

اِہلبیت کی راہ میں حائل نہ ہو کوئی،
انسانیت کو اِذنِ محبت نہ دیجئے

کلیاں ہیں دِلفگار تو گُل سینہ چاک ہیں
معصومیت کی اور شہادت نہ دیجئے

زر دار بے قرار ہیں بے زَر ملُول ہیں
اس ڈھنگ سے غریب کو دولت نہ دیجئے

دم گھُٹ رہا ہے خلعتِ زرّیں کے بوجھ سے
اب چھوڑیئے غلام کو عزّت نہ دیجئے

سر کو چھپا رہے ہیں درندوں کی کھوہ میں
نوعِ بشر کو علم کی نعمت نہ دیجئے

آبادیوں پہ چھائی ہے مرگھٹ کی خامشی
اس سے زیادہ امن کو وُسعت نہ دیجئے
طوفانِ نوحؑ جن کے سروں سے گزر گیا
اب اُن کو اِنقلاب کی دعوت نہ دیجئے

اِس میں تمہاری خیر ہے انسان دُشمنو
اکبؔر کو بولنے کی اجازت نہ دیجئے

خانخاناں اور شاہِ یمن

(۱)

یاد ہے دنیا کو اب تک اُس گھڑی کا ماجرا
پھینکی جب حلقُومِ بیرم خاں پہ دشمن نے کمند
اپنے سر پہ رکھ لی باڈی گارڈ نے اس کی کلاہ
تاکہ پہنچے جو بھی پہنچے حلق کو اُس کے گزند
سر کٹا کر جان آقا پر نچھاور کر گیا
دیکھ اے شاہِ یمن مردم شناسوں کی پسند
کاٹ ڈالا سر تیرا تیرے ہی باڈی گارڈ نے
تاکہ تیرے تخت سے اور تاج سے ہو بہرہ مند
جوہرِ مردم شناسی سے جو تو محروم تھا
اِس لیے کٹوایا اپنا سر مثالِ گوسفند

(۲)

مجھ کو اُس شاہِ یمن سے کوئی ہمدردی نہیں
قتل کر ڈالا جسے اپنے ہی باڈی گارڈ نے
چُن سکے اُلّو کا پٹھّا جو نہ باڈی گارڈ بھی
اس کو کیا حق ہے کہ شاہی تخت سے چمٹا رہے

دو قبریں

اِک قبر ستارے آ آ کر جس پر موتی برساتے ہیں
بے چاری شبنم روتی ہے جب اس کو دُور ہٹاتے ہیں
پھولوں کی ساری رات کھڑے رہنے پر باری آتی ہے
اور خود ہی ہٹ جاتے ہیں جب سورج کی سواری آتی ہے
بیتاب نگاہوں کے گجرے رو رو کے چڑھائے جاتے ہیں
کلیوں کو پرو کر آہوں میں انبار لگائے جاتے ہیں
قرآں کی صدائیں اٹھتی ہیں نغموں سے فضائیں بستی ہیں
جنت کی حُوریں اس مرقد کی اک جھلکی کو ترستی ہیں

....

اک قبر کہ روزِ روشن میں بھی اس پہ اندھیرا رہتا ہے
میں اس کے قریب آؤں کیسے یہ دن کا اُجالا کہتا ہے
اس قبر کی باتیں کرتے ہوئے کچھ لوگ یہاں سے گزرتے ہیں
رُکتے ہیں مگر اس کے پہلو میں اور نہ دعائیں کرتے ہیں

اِن باتوں سے یوں لگتا ہے وہ صاحبِ قبر کو جانتے ہیں
دل اس کی طرف کھچتا ہی نہیں اور دل کے کہے کو مانتے ہیں
اس قبر پہ کوئی پھول نہیں حسرت سے فضا کو تکتی ہے
جیسے محرومی کاٹتی ہے جیسے تنہائی ڈستی ہے

. . . .

اِن دونوں قبروں پر گرچہ شاہی مسجد کا سایہ ہے
جھولی میں پڑا ہے دونوں کی جو جس کے حِصّے آیا ہے
جو پہلی قبر یہاں دیکھی وہ اک شاعرِ دلگیر کی ہے
اور دوسری قبر کو کہتے ہیں اِک باتدبیر وزیر کی ہے

یہ دونوں قبریں لاہور میں ساتھ ساتھ ہیں۔

اعتراف

گوہرِ نایاب نکلا کان سے باآب وتاب
دیکھ کر خوش تھا جہاں میں اپنا حُسنِ لاجواب

گرد تھی ہر چیز حُسنِ شعلہ رُو کے سامنے
اور ثانی لگ رہے تھے آفتاب و ماہتاب

کہہ رہا تھا دل میں میری قدر دانی کیلئے
آتے ہیں کوئی فلک درگاہ یا کیواں جناب

جوہری جڑنے لگے ہیں مجھ کو شاہی تاج میں
منتظر ہیں دید کو میری کئی افراسیاب

ہیں کمر بستہ اسی خدمت پہ خُدّامِ ادب
باکمالوں کو کریں قصرِ شہی میں باریاب

اِن خیالوں میں مگن بیٹھا تھا فرشِ خاک پر
رفتہ رفتہ ملگجی ہونے لگی ہیرے کی آب

پتھروں کی لاریاں بھر بھر کے لے جانے لگے
لوگ جن کو پتھروں کی تھی ضرورت بے حساب

اور ہیرا اُن کے ذوق و شوق کو تکتا رہا
کنکروں کے عشق میں بے ہوش تھے خانہ خراب

اور ادھر پڑتی رہی مہتاب کے چہرے پہ دُھول
گرد سے کملا گیا سنولا گیا روئے گلاب

دیر تک کوئی نہ ہیرے کا ہُوا پُرسانِ حال ،
ڈھل گیا اکبرؔ غرورِ حسن کا آخر شباب

جب کھُلا اُس پر یہاں بے حاصلِ ایام ہوں میں
پتھروں کی قوم سے کہنے لگا پتھر ہوں میں

اپنی تصویر پر ظلم

اپنی تصویر کو تم آپ بگاڑو تو کہو!!
کس کا نقصان ہُوا، اِس میں خطا کِس کی ہے؟
مَیں نے تارے سے چمک قوسِ قزح سے رنگت
رات کے کاکل پیماں سے سیاہی لے کر
زندگی رُوح کی بھرپُور توانائی سے
ایک تصویر بنائی تھی تمہیں یاد بھی ہے
اور آفاق میں پاتال میں جو شے نہ ملی
پر جو درکار تھی تصویر سجانے کے لیے
میں نے شاعر کے تخیل کے خزانوں سے اسے
کبھی مانگا، کبھی چھینا تو کبھی لوٹ لیا
میں نے ہر رنگ سے تصویر مکمل کر لی
اور ایوان تفاخر میں سجا کر رکھ دی
اور سُنا تم نے؟ رقیبوں نے یہ جل بُھن کے کہا
تجھ سے جاناں تری تصویر کہیں بہتر ہے

تم نے بیداد کی اے دوست مگر حد کر دی
اپنی تصویر کو یوں پاؤں تلے روند دیا
جیسے تصویر سے کچھ تم کو تعلق ہی نہ تھا
قہر تو یہ ہے کہ روندی ہوئی تصویر پہ پھر
تم نے یہ ظلم کیا، جاتے ہوئے تھوک دیا

عقل بڑی کہ بھینس

عقل نے بھینس سے کہا اِک دِن
کیا تجھے علم ہے کہ کیا ہوں مَیں
چشمِ بینا ہیں روشنی مجھ سے
بزمِ تحقیق کا دیا ہوں مَیں
رہنما سرنگوں ہیں میرے حضور
ایک عالم کی رہنما ہوں مَیں
ماسوا سے پرے مِری پرواز
وہ فلک رس ہوں وہ رسا ہوں میں
بھینس بولی کہ بند کر" مَیں مَیں"
تو نہیں جانتی کہ کیا ہوں مَیں
میرے سینگوں سے فلسفے لرزاں
جبر و قوّت کا اژدہا ہوں مَیں
تازیانہ ہوں پشتِ حکمت پر
علم کے واسطے قضا ہوں مَیں

ہوں سہارا دلِ سیاست کا
دین کے ہاتھ میں عصا ہوں مَیں
ناخدائی کا ہے بھرم مجھ سے
ناخدا کے لیے خدا ہوں، میں
رہنمائی کی اور کِس کو مجال
راہبر مَیں ہوں رہنما ہوں مَیں
مَیں نے جن جن سے آشنائی کی
دُھوم ہے اُن کی کبریائی کی

تخلیقِ آدم

خداوندِ جہاں فارغ ہوا تخلیقِ آدم سے
تو پہلا کام آدم کو دیا تخلیقِ آدم کا
اسی کے واسطے بخشے اُسے حسن و توانائی
کہ سلجھانا کٹھن تھا زندگی کی زلفِ برہم کا
طلسمِ "کُن" سے تنہا حضرتِ آدم نہیں ابھرے
کہ "کُن" کہنے سے رستہ کُھل گیا تخلیقِ پیہم کا
اسی تخلیق کے ماتحت ہیں سب اور تخلیقیں !!
نشاں اونچا رہا ہے اور رہے گا اس کے پرچم کا
یہی وہ کُل ہے جس کی جزو ہے منصوبہ بندی بھی
کہ جس پر آج کل ایمان ہے اقوامِ عالم کا
خدا کے حکم کی تعمیل پر مجبور انساں کو
خیال آئے تو آئے کس طرح سے بیش یا کم کا
یہ نظریہ نہیں ہے ایک بنیادی حقیقت ہے
کہ جس کی شان پر ایمان لانے کی ضرورت ہے

زراعت کے

نئے نئے طریقے

زراعت کا اک یہ نیا ہے طریقہ
کوئی جانور بیج چُگنے نہ پائے
مگر اِس سے بھی ہے نیا اِک طریقہ
کہ بویا ہُوا بیج اُگنے نہ پائے

حضرتِ نقاد

(۱)

ثبت کر دوں صفحہ قرطاس پر میں صاف صاف
جو گزرتی ہے میرے دل پر تمہاری دید سے
گو مگو میں پھڑ پھڑاتی ہے مری طبعِ رواں
خوف آتا ہے مجھے نقاد کی تنقید سے

(2)

ہو رہا تھا تبصرہ اکبرؔ میرے اشعار پر
اور میں بھی اتفاقاً گوشۂ محفل میں تھا
دم بخود تھے اہلِ محفل دانشِ نقّاد پر
اور میں یہ سوچتا تھا کب یہ میرے دل میں تھا

(3)

آپ ہیں آگاہ ہر منظر کے پس منظر سے بھی
آپ کی نادر سخن فہمی پہ قرباں جایئے

آپ کو ازبر ہیں سب حسنِ تغزل کے رموز
اس زمیں میں ایک مصرع تو بہم پہنچایئے

(4)

دیدنی تھا بزم میں اکبر کمالِ شاعری
دل کھچے اس کی طرف شاعر جو منہ سے کہہ گیا
اور جب ہر شعر پر تنقید کا دفتر کھلا
شور بے معنی سے میں سر کو پکڑ کر رہ گیا

تجربہ

ادیبوں میں جاکر کوئی چیز پڑھنا
ہے ایسا کہ گانا ہو میراثیوں میں
ذرا سی ہو لغزش تو فوراً یہ نٹ کھٹ
اڑاتے ہیں انسان کو قہقہوں میں
بہت ہی کٹھن اِن سے ہے داد پانا
کہ نوحہ ہو جوں بے اثر ذاکروں میں
وُہ دِل جو لرزتا ہے موجِ صبا سے
یہاں دب کے بیٹھا ہے موٹی تہوں میں
حریفوں سے دادِ ہنر کی توقع
جو دیکھی گئی ہے تو اکثر گدھوں میں

ادیبوں سے جھگڑا

کس باغ کی مولی ہو کس کھیت کے بتھوے ہو
کس تھالی کے بینگن ہو انساں ہو پٹاخہ ہو
جھگڑا ہے ادیبوں سے
قدرت کے نقیبوں سے

کچھ عقل کے ناخن لو دانش کی دوا کھاؤ
عینک کو ذرا بدلو آئینے میں منہ دیکھو
جھگڑا ہے ادیبوں سے
قدرت کے نقیبوں سے

اک ہاتھ میں خنجر ہے اک ہاتھ میں بھالا ہے
کہتے ہیں شرافت کا دستور نکالا ہے
جھگڑا ہے ادیبوں سے
قدرت کے نقیبوں سے

گیدڑ کو ذرا دیکھو شامت نے ستایا ہے
جنگل سے خفا ہو کر اب شہر میں آیا ہے

جھگڑا ہے ادیبوں سے
قدرت کے نقیبوں سے

جس تخت پہ بیٹھے ہو اس پر سے ذرا جھانکو
اور سامنے آنے دو اس لُعبتِ عریاں کو
جھگڑا ہے ادیبوں سے
قدرت کے نقیبوں سے

دیکھو تو وہ مشرق میں جلوہ نظر آتا ہے
اور ساتھ ہی مغرب میں تختہ نظر آتا ہے
جھگڑا ہے ادیبوں سے
قدرت کے نقیبوں سے

فریادِ بُلبُل

(تنقیدی جلسوں کے شر کاء کی نذر)

باغ میں بلبل سے سُن کر ایک ٹکڑا گیت کا
یہ کہا کوّے نے اکبرؔ (میں بھی سنتا تھا کھڑا)

درد بھی ہے اور موسیقی بھی ہے اِس گیت میں
مصرعِ اوّل سے پر ہے مصرعِ ثانی بڑا

اِک جگہ محسوس ہوتا ہے کہ دبتا ہے الف
دوسری جانب جو دیکھا عیب ہے تعقید کا

روتے روتے یہ دیا بُلبُل نے کوّے کو جواب
کائیں کائیں میں جو بے چاری کا نغمہ دب گیا

شعر کب ہے حضرتِ نقاد، یہ فریاد ہے
من ندانم فاعلاتن ۔ فاعلاتن ۔ فاعلا

یہ تِل

تِل بکھرے ہیں اندر باہر ایک کا ایک سے میل نہیں
تِل دھرنے کو جگہ نہیں باقی اِن میں گھسنا کھیل نہیں
اِن کو غور سے دیکھتے جاؤ اِن کی خوشبو کو پرکھو
اور بہت کچھ ہو کہ نہ ہو پر ایسے تِلوں میں تیل نہیں

فنکار کسی جگہ پہنچ کر منڈلی سی بنا لیتے ہیں وہاں کسی دوسرے کو گھُسنے نہیں دیتے۔ اسی کو دیکھ کر یہ قطعہ ہوگیا۔

زمین کا دکھ

وہ ساعتیں آ ہی جاتی ہیں جب تک میں اک گیت گاؤں

سونار، وہ وہ دیکھتا ہیں، سونار ہیں وہ اکھاڑوں.

کیا کیا عجیب ارماں دل میں ہیں، مچل رہے ہیں

وہ چاند پیڑ سے اترے تو زمیں کا دکھ سناؤں

ایٹم بم

ہستی سے بگاڑ ہو گیا ہے
کاشانہ اُجاڑ ہو گیا ہے
خورشیدِ بشر گہن میں آیا ایسا
ہر ذرہ پہاڑ ہو گیا ہے

یہ تاجورِ کشورِ اِمکاں انساں
یہ صدر نشینِ بزم دوراں انساں
افسوس کہ ہے اپنی فضیلت کے طفیل
اِک ذرّے کے ذرّات سے لرزاں انساں

انسان حقیقت کی خبر پائے نہ پائے
اور شاخِ تجسس میں ثمر آئے نہ آئے
نادانوں کی دنیا پہ ہے دہشت طاری
اس علم کے ہتھیار سے اللہ بچائے

ہیرو شما اور ناگا سکی پر ایٹم بم پھینکے جانے کی اطلاع جسوقت موصول ہوئی اسی گھڑی یہ شعر زبان پر جاری ہو گئے
وہاں سنگھو کالج لاہور میں سر شانتی سروپ بھٹناگر سے ملاقات ہوئی وہ بھارت کے ایٹمی ادارے کے صدر تھے انہوں نے یہ شعر سُنے تو کہا کہ فکر نہ کرو بھارت اپنی ایٹمی طاقت امن کے مقاصد کی خاطر استعمال کرے گا۔

ایٹم بم سے خطاب

مری عرض سُن ایٹمی بم ذرا
کہ تو ایٹمی عہد کا ہے خدا

بُھلا کر پرانے خدا کو یہاں
تری سمت ہے ہر کوئی دیکھتا

مگر تو ہے دو چار کا میہماں
انہیں کے ذخیروں میں جکڑا ہُوا

ذرا اِن ذخیروں سے باہر نکل
سبھی جاں نثاروں کو چہرہ دکھا

ہر اک ملک میں ہو تری چھاؤنی
ہر اک سلطنت میں بسیرا تیرا

تیرا فیض جاری ہو سب کے لیے
تیرے در پہ سجدہ ہو ہر ایک کا

ہو نیویارک بھی تجھ سے یوں مستفید
ہُوا بہرہ ور جیسے ہیرو شما

مٹے نام تلوار کا دہر سے
نہ جھگڑا رہے توپ بندوق کا
ہو قصّہ سبھی اسلحہ کا تمام
تجھے دیکھ کر سب کہیں لا اِلٰہ
قسم ہے تجھے اپنے جبروت کی
کبھی اِس طرح بھی ہو جلوہ نما

دکانِ اسلحہ

رحمت ہو اُن پہ خُوں میں جو اپنے نہانے ہیں
مرتے ہیں آپ قوم کو پھر سے جلاتے ہیں
لڑتے ہیں موج موج سے دریا میں کود کر
ہمت سے فوج فوج کے رستے میں آتے ہیں
جن معجزوں پہ عقل کو حیرت ہے آج تک
وہ معجزے جہان کو پھر سے دکھاتے ہیں
جیسے ہو منتظر کوئی دیدارِ یار کا
ہنس ہنس کے اس جہان سے اس طرح جاتے ہیں

یہ سچ ہے دوستو مگر ان کی بھی تو کہو
جو سو طرح سے جنگ کو ممکن بناتے ہیں
دکانِ اسلحہ کو سجاتے ہیں شوق سے
گاہک کو دُور دُور سے اُس میں بُلاتے ہیں

بڑھ بڑھ کے مال دیتے ہیں ہو نقد یا اُدھار
"آؤ بہادرو"! کی صدائیں لگاتے ہیں
آفاق گیر کرتے ہیں چھوٹی سی بات کو
ہر ذرۂ حقیر کو شعلہ بناتے ہیں

نوک جھونک

تم نے لکھا زہر ہے جو رات دن پیتی ہو تم
اور تعجب کر رہی ہو کِس طرح جیتی ہو تم
ہم نے تو اُلٹا اثر دیکھا ہے تم پر زہر کا
کر رہا ہے سرو کو سرسبز پانی نہر کا
ہم نے کب پہلے کیا ہے فخر اپنی عقل پر
پھبتیاں کیوں کستی ہو تم اب ہماری عقل پر

"اسلام پسند"

اللہ سے مانگتے ہیں اللہ کے نیک بندے

ایمان کے پکوڑے، اسلام کے پسندے

گزارش

وِتنام پہ جس چیز کی تم کرتے ہو بارش
نیو یارک پر اُس چیز کی بارش ہو تو کیا ہو

تم پیٹ کے اوروں کو مِٹاتے ہو جو خارش !
اوروں کے بھی ہاتھوں میں یہ خارش ہو تو کیا ہو

امریکہ سے سب امن کی کرتے ہیں گزارش
امریکہ کی جانب سے گزارش ہو تو کیا ہو

رد کرتے رعونت سے ہو تم جن کی سفارش
اللہ کے پاس اُن کی سفارش ہو تو کیا ہو

یہ شوخی نگارش کی جو ہے جنگ وجدل میں
گر امن میں یہ شوخ نگارش ہو تو کیا ہو!

پھول پر قتل کا "الزام"

توڑنے کے واسطے تجھ کو وہ دو آگے بڑھے
اور اِس کوشش میں وہ اک دوسرے سے لڑ پڑے
دیکھتے تھے سرو اور شمشاد دونوں کو کھڑے
اِس نے اُس کو مار ڈالا دِن دہاڑے دِن چڑھے
اور سن اے پھول تجھ پر قتل کا الزام ہے
سُن کے یہ الزام تیرا ہوگیا ہے رنگ فق
یوں نظر آتا ہے ہو جائے گا تیرا سینہ شق
رحم کھائے گا نہ کوئی دیکھ کر تیرا قلق
اور نہ پرکھیں گے کہ یہ الزام ناحق ہے کہ حق
اور سُن اے پھول تجھ پر قتل کا الزام ہے
تجھ کو کھلنا تھا تو کیوں آیا تھا اس گلشن میں تُو
جس جگہ ہے ایک سنگین جرم وصفِ رنگ و بُو
خندہ روئی ہے جہاں دیوانہ پن اے خندہ رو

حسن کے دشمن جہاں منڈلا رہے ہیں چار سو
اور سُن اے پھول تجھ پر قتل کا الزام ہے

عرش تک پہنچا دیا تو نے دماغ عندلیب
اور جاگے تیری خوشبو سے ہواؤں کے نصیب
تو بنا آزردہ دلِ بیمارِ الفت کا طبیب
کیا عجب صیاد نے سمجھا تجھے اپنا رقیب
اور سن اے پھول تجھ پر قتل کا الزام ہے
بے طرح ہے تو نے مہکائی زمانے کی فضا،
تیری اس سازش میں شامل ہو گئی بادِ صبا
حیف اے برخود غلط تو نے نہ یہ سوچا ذرا
تیرے کاروبار سے گھٹتا ہے دم شیطان کا
اور سن اے پھول تجھ پر قتل کا الزام ہے

"بک سیلر

اَور

گوجر"

اے مصنّف تُو لکھ چُکا ہے اِسے
بیچنے دے کتاب سیلر کو

لوگ گائے سے دودھ لیتے ہیں
اور دیتے ہیں دام گوجر کو

امتناعِ شراب

امتناعِ شراب ہے تم کو
کون روکے گا کس ہیں یہ دل ہے
ہم مگر یہ ضرور کہتے ہیں
ایسی کوشش حصولِ حاصل ہے
ہم غریبوں کے پاس ہی کیا ہے
ہم پہ یہ حکم سعیِ باطِل ہے
دے جو فیشن کا طعنہ ننگوں کو
اس کے سینے میں دِل نہیں سِل ہے
گردشِ جام ہے وہاں اکبرؔ
جن فضاؤں میں عیشِ کامِل ہے
چائے سگرٹ جہاں سے ہوں غائب
کِس طرح لوگ مے سے ہوں تائب

انسانی برابری

سب کو برابر ہی کہوں ہیں وہ مساواتی نہیں
یہ نام کی یکسانیت مجھ کو نظر آتی نہیں

جو آنکھ پر ظاہر ہوا وہ دل سے چھپ سکتا ہے کب
حسنِ نظر کا فیض ہے یہ بات جذباتی نہیں

بارات کو اس میں خصوصیت نظر آئے نہ آئے
دولہا کو دولہا ہی کہیں گے عام باراتی نہیں

ہیرے کو ہیرا ہی کہیں کنکر کو کنکر ہی کہیں
ہاں اس کا یہ مطلب نہیں ہیرا جماداتی نہیں

دل میں لیے بیٹھے رہو انسان کی تصویر کو
انسان کی تصویر تو منزل پہ پہنچاتی نہیں،

اک پیکرِ بے جان ہے تر شا ہوا حیوان ہے
انسان کب انسان ہے گر جوہرِ ذاتی نہیں

جس میں برابر ہیں سبھی وہ ہے فقط حیوانیت
درجہ بہ درجہ ہے مگر انسان کی انسانیت

پبلشر سوچتا ہے

میرے پاس آ کر وہ کہتا تھا حاجی!
میرے بھائی اب گھر میں آٹا نہیں ہے
مجھے تم اگر سو پچاس آج دے دو
تو اِس میں تمہیں کوئی گھاٹا نہیں ہے
یہ وُہ شخص ہے جس کو ملّت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

کہا میں نے جب یہ کتابیں تمہاری
پڑی ہیں پڑی ہیں پڑی ہی رہیں گی
میری سمت ایسی نگاہوں سے دیکھا
گڑی ہیں گڑی ہیں گڑی ہی رہیں گی
یہ وہ شخص ہے جس کو ملّت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

کبھی ہم نے خوش ہو کے کچھ دے دیا ہے
جُھکی ہیں تشکر سے اس کی نگاہیں

لگاتار دھوکے لگاتار چکمے!
دیئے جائیں جتنی دفعہ اس کو چاہیں
یہ وہ شخص ہے جس کو ملت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

یہ وہ شخص ہے اپنے تاریک گھر میں
کیئے جا رہا ہے ستاروں کی باتیں
نہ جانے سکھی لوگ کیوں مانگتے ہیں!
کتابوں میں اِن غم کے ماروں کی باتیں
یہ وہ شخص ہے جس کو ملت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

خدائے تعالیٰ نہ وہ دن دکھائے
کہیں کر لے یہ کورے کاغذ کا دھندا
بن آئی ہی مر جائے یہ قومی خادم
یہ خاجی خدا کا گنہگار بندہ
یہ وہ شخص ہے جس کو ملت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

کتابوں کی ویسے کمی تو نہیں ہے
لکھی جا رہی ہیں منوں ہی کتابیں
ہماری نظر سے گزرتے ہیں ہر دم
ہزاروں مصنّف ٹنوں ہی کتابیں

یہ وہ شخص ہے جس کو مِلّت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

اُسے کیا خبر ہے کہ بازار میں کیا
ہے کاغذ کی قیمت سیاہی کی قیمت
اُسے کیا خبر آج ہی بھیجنی ہے
ہمیں "پھول کی بے گناہی" کی قیمت

یہ وہ شخص ہے جس کو مِلّت ہماری
خودی کا بڑا راز داں مانتی ہے

ــه ایک لونڈیا کے لکھے ہوئے ناول کا فرضی نام جسے پبلشرز نے اونے پونے میں خریدا علامہ اقبالؒ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا پبلشروں نے مجھے جی بھر کر لوٹا۔ سو کتابیں بیچیں مگر کبھی دس کے دام گِن کر نہ دیئے۔ یہی حال میراجی کا بھی ہُوا۔ یہی واقعہ میرے ساتھ بھی گزرا۔

قرآن فروشوں کی گلی کا قصہ

اِک مومنہ کی آن لُٹی بر سرِ بازار
اور اس پہ نہ خوں گرم ہوا ایک جری کا
اِس حادثے پہ اب ہیں ملول و متاسّف
وہ جن کو کہ ہے خوفِ خدا اور نبیؐ کا
کہتے ہیں کہ رخصت ہوئی جب قوم سے غیرت
کیا فائدہ پھر فکرِ خفی ذکرِ جلی کا
اکبرؔ نے کہا مجھ کو تعجب نہیں کوئی
یہ قصّہ ہے قرآن فروشوں کی گلی کا

لاہور کے کشمیری بازار میں ایک لڑکی اسکول جا رہی تھی کہ اُسے ایک غنڈے نے اُٹھا لیا۔ کشمیری بازار کے دوکاندار اپنی اپنی دوکانوں کے تھڑوں پر کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے۔ کسی نے بڑھ کر بیچ بچاؤ نہ کیا۔

اُسی بازار میں

منع کرنے والا جس سے منع فرماتا رہا
ہیں اُسی بازار میں آتا رہا جاتا رہا

مِٹ سکی جن کو نہ دِن بھر دیکھ کر آنکھوں کی بھوک
رات بھر اُن کا تصور دل کو تڑپاتا رہا

آج اُس گزرے زمانے کیلئے روتا ہوں مَیں
جس زمانے میں گنہ کر کر کے اٹھلاتا رہا

واقعہ یہ ہے کہ مَیں شیطان کا اُستاد ہوں
سب سمجھتے ہیں مجھے شیطان بہکاتا رہا

ہائے وہ لذت چرا کر پھل کے کھانے میں جو تھی
کون احمق ہے جو اس لغزش پہ پچھتاتا رہا

طے نہ کچھ بھی ہو سکا کشمیر کے جھگڑے کی طرح
وہ مجھے مَیں حضرتِ ناصح کو سمجھاتا رہا

اور تھوڑے غم ہیں اکبر عصرِ حاضر کے طفیل دِل کا کیا غم کیجئے جاتا رہا جاتا رہا

شاہ اور شاعر

(1)

فردوسیِ عجم نے لکھی نظم لاجواب
اور طالبِ صلہ ہوا محمود خان سے
یہ نکتہ لیکن اُس کی سمجھ میں نہ آسکا
بے سود کیوں ہے سود کی خواہش پٹھان سے

(2)

شعر کی جوئے رواں سے فیض پہنچا ملک کو
اور کیچڑ دامنِ محمود خاں سے لگ گئی
جس میں شاعر تھا وہ پلڑا جھک گیا سوئے زمیں
شاہ بیٹھا تو ترازو آسماں سے لگ گئی

(3)

اپنی عزت اپنے ہاتھوں میں ہے اے شاہِ جہاں
کرتے ہیں عزت کا سودا لوگ دے کر نقدِ جاں
تو نے اشرفیوں کو سلطاں سے گراں تر کر دیا
ہوگیا کافور سلطاں رہ گیا محمود خاں

(4)

سلطنت کو ہے کہ ہے حُسنِ طبیعت کو دوام
قصۂ محمود و فردوسی سے عُقدے کھُل گئے
ایک پلڑے میں ہے سونا دوسرے میں نقدِ فن
وقت کی میزان میں شاہ اور شاعر تل گئے

پیرزادہ مخدوم

"ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"
سُنتے آئے ہیں بزرگوں کی یہ رَٹ
آج لمبی راہ پر چلتا ہے کون
ہوں نظر کے سامنے جب شارٹ کٹ

دیکھ لو خادِم نہ کہلائے کبھی
پیرزادے بن گئے مخدوم جھٹ

نائی

نظر جھکائے کوئی جا رہا تھا افسردہ
کہ جیسے اس نے کمینوں سے مار کھائی ہو

مجھے ملال ہُوا دیکھ کر یہ حال اُس کا
کہ جیسے وہ بھی مصیبت میں میرا بھائی ہو

میرے سوال پہ اس نے اِک آہِ سرد بھری
کہ جیسے دل پہ بڑی سخت چوٹ آئی ہو

زباں سے نکلے یہ الفاظ اور یوں نکلے
بدن سے جیسے کسی روح کی جُدائی ہو

اگرچہ آپ کے افسر میں سو بُرائی ہو
مگر خدا نہ کرے قوم کا وہ نائی ہو

گورنر سے ملاقات

گورنر کی خدمت میں حاضر ہُوا مَیں
مجھے تھی مری نوکری کی ضرورت
کیا عرض ممکن ہے وہ دِن بھی آئے
پڑے جبکہ اسمبلی کی ضرورت
یقیناً پھر اُس وقت محسوس ہوگی
رپوٹر کی اور سیکرٹری کی ضرورت
گورنر اس انداز سے بول اُٹھا
کہ مٹ سی گئی زندگی کی ضرورت
بس اب بھول جاؤ یہ باتیں پرانی
نئی ہے نئی پالیسی کی ضرورت

پُرانے ادارے نہ نوکر پُرانے
نہیں اب کسی چیز کی بھی ضرورت

کسی سرکاری عہدے دار سے ملاقات شعر کا مضمون تو نہیں بن سکتی۔ مگر اس ملاقات کا اثر دل پر کچھ ایسا ہُوا جیسے ایک خاص ادب کے نمونے کو پڑھ کر دل کی کیفیت ہو جاتی ہے اُس لمحے کی یاد اب تک دل میں تازہ ہے۔

کوڑھ اَور نفرت

ہندوستان کے صدر نے فرمایا قوم سے
اس کوڑھ کے مرض کو وطن سے نکال دو!
افسوس کوئی یہ نہیں کہتا عوام سے
نفرت کے خار کو بھی چمن سے نکال دو
نفرت کا خار کوڑھ میں کھجلی اُٹھائے ہے
بنیاد امن اور محبت کی ڈھائے ہے

مجھ کو نا قدری تسلیم

میں ہوں مصوّر، تم ہو اندھے
میں ہارا صاحب، تم جیتے
میرا قلب نہیں دو نیم
مجھ کو نا قدری تسلیم

میں ہوں گویا، تم ہو بہرے
میں ہارا صاحب، تم جیتے
میرا قلب نہیں دو نیم
مجھ کو نا قدری تسلیم

میں ہوں سچّا، تم ہو جھوٹے
میں ہارا صاحب تم جیتے
میرا قلب نہیں دو نیم
مجھ کو نا قدری تسلیم

میں ہوں پپیہا تم ہو بھونرے
میں ہارا صاحب تم جیتے

میرا قلب نہیں دو نیم
مجھ کو نا قدری تسلیم
مَیں شاعر ہوں اور تم بگلے
مَیں ہارا صاحب تم جیتے
میرا قلب نہیں دو نیم
مجھ کو نا قدری تسلیم

پناہ گیر

وہ نکتہ سوجھا ہے الطافِ کبریا سے مجھے
بچائے گا جو نکیرین کی جفا سے مجھے
لحد میں لینے کو آئیں گے جب حساب میرا
سوال پوچھیں گے اللہ کی رضا سے مجھے
کہوں گا ان سے کہ یارو پناہ گیر ہوں میں
سکوں ملا ہے یہاں آپ کی دعا سے مجھے
کفن سے اس لیے منہ کو چھپا کے آیا ہوں
زمیں کے بھیڑیوں سے بچ بچا کے آیا ہوں

کرامات

میں کب ہوں بزرگوں کی کرامات کا منکر
بے وجہ ہیں اے پیرِ طریقت ترے شُبہات
دیکھوں یدِ بیضا کہیں اک بار تو دیکھو
کس طرح لپکتا ہوں کہ اس ہاتھ میں دُوں ہات

جی چاہتا ہے گیت بزرگوں کے گایئے
اپنی بھی سُر جناب کی سُر میں ملایئے
یاروں کو نت نئی نہ کہانی سنائیں آپ
توفیق ہو تو کوئی کرامت دکھایئے

نوکری

ایک مریدِ باصفا کہنے لگا یہ پیر سے
نوکری کرنی ہے مجھ کو، نوکری ملتی نہیں
پوچھتا ہوں جس جگہ ملتا ہے کورا ہی جواب
بندہ حاضر ہے، نویدِ بندگی ملتی نہیں
یہ کہا پیرِ حقیقت آشنا نے دوست سے
تم نہ یہ سمجھو دوا اِس درد کی ملتی نہیں

میں سمجھتا ہوں خدا تم پر بڑا ہے مہرباں
اور اُسے منظور ہے بندے کا ربطِ جسم و جاں

انگلستان میں قانون لواطت کے پاس ہونے پر

مونچھ منڈوا کر ہر ایک انگریز کرزن بن گیا
اور ترقی کرتے کرتے آخرش زن بن گیا
میم صاحب کے لئے میکا ہی دشمن بن گیا.
ہو گئی بے کار ماں اور بھائی سوکن بن گیا
سر چھپانے کو کہاں حوّا کی بیٹی جائے گی
جبکہ اپنا دیس ہی خوشیوں کا رہزن بن گیا
غور کر کے دیکھ لیں اس کام کے انجام کو
مغربی تقلید جن قوموں کا فیشن بن گیا.
چھوڑیئے اب تذکرہ پیرس کی راتوں کا جناب
دیکھئے اس دور میں کیا چیز لندن بن گیا
کیمبرج اور آکسفرڈ میں اُنکو اب جا کر نہ ڈھونڈ
آج انگلستان جن قدروں کا مدفن بن گیا
متّہم کرتی تھی دنیا جس پہ قوم لُوطؑ کو
عہد حاضر میں وہی کردار احسن بن گیا

اس پر طُرّہ یہ کہ قانونِ لواطت کی منظوری ایک خاتون یعنی ملکہ الزبتھ دوم کے دستخطوں سے ہوئی۔

طپش

حقیقت میں ہمیشہ سے ہوں میں قائل حلیمی کا
طبیعت کو کبھی پایا نہیں مائل تشدد پر
مگر اک روز اک فنکار کی حرکت پہ طیش آیا
مرا جی چاہتا تھا پھوڑ دوں پتھر سے اس کا سر
یہ حضرت گا رہے تھے بھیرویں اس شخص کے آگے
جسے وہ جانتے پہچانتے تھے کورہے اور کر

بہانے

رکھ دیتا ہے ماتھے کو تکلف سے زمیں پر
جیسے کہ کوئی شوق سے پڑھتا ہو نمازیں
پکوا کے کوئی چیز جو کھا لیتا ہے گھر میں
یہ دل میں سمجھتا ہے کہ دیتا ہوں نیازیں
رہتے ہیں یہ اللہ کی رحمت سے بہانے
کس مٹی سے اکبرؔ کو بنایا ہے خدا نے

بنتی

ہندوستان ہے میرا میکا
پاکستان مرا سُسرال

دل دکھتا ہے جب سنتی ہوں
اِن میں چھڑے گی جنگ وجدال

سُن رے بنتی جل جلال
تو ہی آئی بلا کو ٹال

اس کی ہر دم خیر مناؤں
عربستان میرا ددھیال

اُس پہ کوئی آنچ نہ آئے
ہر لحظہ یہ رہوے خیال

سُن رے بنتی جل جلال
تو ہی آئی بلا کو ٹال

بولوں اس کی میٹھی بولی
انگلستان میرے ننھیال

دُنیا کے جھگڑوں کو مٹا دے
اُس کو سمجھا دے ایسی چال

سُن لے بنتی جل جلال
تُو ہی آئی بلا کو ٹال

لڑنے والے لڑیں جھوک سے
رہ جائے نہ کوئی کنگال

بیماری کا کھوج مٹائیں
سب خوش ہوں اور سب خوشحال

سُن لے بنتی جل جلال
تُو ہی آئی بلا کو ٹال

کرودھ کپٹ کا ناس ہو جائے
عرش سے لے کر تا پاتال
سُن لے بنتی جل جلال
تو ہی آئی بلا کو ٹال

امن کے دشمن دفن ہو جائیں

آ جائے ایسا بھونچال

سُن رے بنتی جلے جلالے

ہے پرمیشور ہے آکالے

تو ہی آئی بلا کو ٹالے

شیخ جی اور سیاست

حدیث و فقہ کی فرمانِ رب کی بات کرو

اصول و نحو کی علم و ادب کی بات کرو

تمہیں خبر ہی نہیں شیخ جی سیاست کی

یہ ذکر چھوڑ دو اور کوئی ڈھب کی بات کرو

مصلحتِ واعظ

بعض باتوں سے شیخ دانستہ
وعظ کے دن گریز کرتے ہیں
حور کے تذکرے سے البتہ
آتشِ شوق تیز کرتے ہیں

اصول اور وصول

کہنے لگے کہ بات کروں گا اصول کی،
طے سب سے پہلے بات ہو جائے وصول کی

شیخ کی عینک

یہ تو اللہ کو معلوم ہے واعظ صاحب
کس کی نیّت ہے درست اور ہے کس کی کھوٹی

تم نے افسوس لگائی ہے وہ عینک جس سے
نیکیاں چھوٹی نظر آئیں خطائیں موٹی

یہ اونچی نظر والے

امارت اور ریاست کا جنہیں دعویٰ ہو یہ سُن لیں
امارت ایک وُہ بھی ہیں جو ہے اونچے خیالوں کی
زمیں کے ہاتھیوں کو چیونٹی کا پر سمجھتے ہیں
بڑی اونچی نظر ہے آسماں پر اڑنے والوں کی

تحسین بعد از موت

پہلے شاعر سے یہ ہمدردی نہ تھی
آج کی تحسیں کا باعث موت ہے
مرگیا تو ہوگیا محبوب تر
موت جیسے زندگی کی سوت ہے

پیسے سے خطاب

پیسے ترے جلووں کا مجھے علم و یقیں ہے
لیکن بخدا تو مرا محبوب نہیں ہے
ستّارِ عیوب اور ہے تو قاضیِ حاجات
لیکن مرا اللہ مرے دل کے قریں ہے
دِل تجھ سے ہے بے فکر مجھے دل کی قسم ہے
دل میں ترا احساس کہیں تھا نہ کہیں ہے
تو بگھی کا گھوڑا ہے تو موٹر کا ہے پٹرول
محبوب جو ہے وہ مرے پہلو میں مکیں ہے
گر تجھ کو یہ دعویٰ ہو کہ تو ہے مرا سب کچھ
سو بار "نہیں" ہے لبِ اکبر پہ "نہیں" ہے

پرمٹ

ہزاروں باب مسرت کھلے ہیں رات کے ساتھ
شراب لیٹ کے پی لو غمِ حیات کے ساتھ
یہ اس بزرگ کا احسان بھی ہے حکمت بھی
دیا ہے شیخ نے پرمٹ رہِ نجات کے ساتھ

شیخ جی اور سیاست

حدیث و فقہ کی فرمانِ رب کی بات کرو
اصول و نحو کی علم و ادب کی بات کرو

تمہیں خبر ہی نہیں شیخ جی سیاست کی
یہ ذکر چھوڑ دو اور کوئی ڈھب کی بات کرو

فتح و شکست

جمہور کی نظر سے تو ادجھل ہے رہبرو
جو کچھ پڑا ہوا ہے سیاست کے طشت میں
جو کچھ بھی ہو مسائلِ پیش آمدہ کا حل
جمہوریت کی فتح نہ بدلے شکست میں

پرانی قیادت

کوئی حکمت نہ کوئی جدّت ہے!
عہدِ حاضر کی اِک تجارت ہے
زہرہ نوما کے حمل کی مانند
یہ قیادت بھی بے حقیقت ہے

انڈونیشیا کی خاتون جن کا حمل مدتوں قیاسات کا "محور" رہا۔

فقیر کو بزدل بنانے کا طریقہ

شوقِ نظارہ کو مایوس نہ کر
آپ کا حُسن نکھر جائے گا

اس کی جھولی میں بہاریں بھر دو
فقر بھی موت سے ڈر جائے گا

شیرِ سندھ

کا اِنتخاب

دلِ غریب کو بے تابیوں نے لُوٹ لیا
متاعِ زیست کی نایابیوں نے لُوٹ لیا

بنا کے راہ نما شیرِ سندھ کو اپنا
دلِ زمانہ کو پنجابیوں نے لُوٹ لیا

مصنوعی قحط پیدا

کرنے والے سے

بلائے قحط کی ترچھی نظر کو دیکھتے ہیں!
ترے ستائے ہوئے راہبر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں تیرے دستِ و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

انمٹ داغ

خوشہ ہے سرمایہ کہ مہنگائی کا جال
تنگ ہو سکتا ہے، کھل سکتا نہیں

میں یہ کہتا ہوں ترے ہاتھ کا داغ
چھپ تو سکتا ہے پہ دھل سکتا نہیں

فضول دعوے

بڑا درست ہے بے شک خیال رہبر کا
بنے وہ قوم کا خادم ہے فرض افسر کا

شریک ہوں نہ اگر تھانیدار، پٹواری
فضول دعویٰ ہے آئی۔ جی کا اور کلکٹر کا

شیخ کا فتویٰ

دُنیا جناب شیخ کو چاہے جو کچھ کہے
ہر عافیت پسند کے حضرت امام ہیں
کل کہہ رہے تھے حِلّت و حُرمت کے باب میں
پدّی حلال شیر اور چیتا حرام ہیں

فنکار کی بیکسی

لے جائے جو قسمت کسی سرکار کے آگے
سمجھو کہ گیا مال خریدار کے آگے
لے سکتا نہیں بھیک بھکاری سے بھکاری
چلتی نہیں فنکار کی فنکار کے آگے

محبِ وطن دوستوں سے

محبِ وطن دوستو مجھ سے سن لو
کہ یہ بھی ہے حُبِ وطن کا تقاضا

وطن کی نگاہوں سے ہو دُور رشوت
نکل جائے مہنگائیوں کا جنازہ

موڈرن لائف

کون کہتا ہے ہم نہیں موڈرن
ہم کو بس اولڈ لائف بھاتی ہے
کرتے ہیں گھی بنولے سے حاصل
بھینس کھانے کے کام آتی ہے

جنگل بغیر منگل

ہزاروں جانور ہیں دوست چڑیا گھر کی بستی میں
مگر اس پر بھی چڑیا گھر کو ہم جنگل نہیں کہتے
یہاں سب جانور رہتے ہیں اپنے پنجروں میں بند
یہاں کچھ زندگی تو ہے اسے منگل نہیں کہتے

دعوتِ شیراز

اور

دعوتِ شیزان

جو رہی ہیں نعمتیں ہر دور میں
ہیں میسّر ہر گھڑی لاہور میں

دعوتِ شیراز ہے اکبر کے گھر
دعوتِ شیزان بیڈن روڈ پر

ہومیوپیتھک علاج

تم کو شیطاں سے جو بچنا ہو تو میرے پاس آؤ!
کہہ رہے تھے شیخ جی اک سادہ دل مسلم سے آج

سن کے یہ شیخی کہا اکبرؔ نے اتنا زیرِ لب
یہ ہے شاید شیطنت کا ہومیوپیتھک علاج

قناعت

کر قناعت اور مت گھر سے نکل
دلّی دروازہ ہے دلّی کا بدل

بن گیا کشمیر کیوں سینے کا لوڈ
مل گئی ہے جب تجھے کشمیر[1] روڈ

[1] مال روڈ سے ایجرٹن روڈ تک ایک ننھی سی بے حقیقت سڑک

ری ہرسل

اے ناصح ہم تیری مُشکل اِک نکتے میں حل کرتے ہیں
کچُھ قسمت والے جیتے جی جنّت کی ریہرسل کرتے ہیں

کامڈی اور ٹریجڈی

جھُوٹے کا جھوٹ بکنا بھرپور کامِڈی ہے
اور اس کو سچ سمجھنا اصلی ٹریجڈی ہے

اپنی اپنی توبہ

ہماری توبہ ہے اکبرؔ ہمارے دل کی نرمی سے
مگر ہے شیخ کی توبہ فقط موسم کی گرمی سے

گُٹھلی

یہ تو ارشاد ہُوا صبر کا پھل میٹھا ہے
یہ نہ فرمایا کہ ہے صبر کے پھل میں گٹھلی

دِلّی کی بلّی

یہ اِک تازہ خبر آئی ہے سنسر ہو کے دلّی سے
کہ چوُہوں کو کوئی خطرہ رہا باقی نہ بلّی سے

غصّہ

میرا غصّہ نکل سکتا نہیں دو چار جوتوں سے
رقیبِ رُوسیہ سر پر ترے گُنّو کمپنی توڑ دوں

واعظ کی ہمّت

رہ جاتے ہم صرف مسلماں
تھا مذہب اسلام کتابی
واعظ کی ہمّت سے ہیں زندہ
شیعہ، سُنی اور وہّابی

توپچی طوطا۔

مجھ سے وہ اِک نکتہ سُن لے
جس کی سمجھ میں آسکتا ہے
طوطے کو کمزور نہ سمجھو
طوطا توپ چلا سکتا ہے

مسافر خانہ

آنا ٹھہر نہیں چکتا ہے

اس پر آجاتا ہے جانا

لاٹ صاحب کی کوٹھی ہے

یا ایک مسافر خانہ

لاہور کے گورنر ہاؤس میں گورنر جلدی جلدی بدلے یہاں تک کہ ایک صاحب ابھی بستر بھی نہ کھولنے پائے تھے کہ ڈیڑھ دو دن میں گورنری ختم۔

بڑی چیز

جاہل ہو رعیّت تو حکومت ہے بڑی چیز
اور مفت میں ہاتھ آئے تو عزت ہے بڑی چیز
یہ سچ ہے مگر اصل میں جو بات ہے یہ ہے
ڈسمس نہ ہو انسان تو وزارت ہے بڑی چیز

ڈاکٹر خاں صاحب اور میاں دولتانہ

فکر و نظر کی وسعت بس میں نہیں کسی کے
عاجز ہیں اس سفر میں چھوٹا ہو یا بڑا ہو
کہتے تھے خاں صاحب "میں جانتا ہوں تم کو"
اور بولے دولتانہ "تم جانتے ہی کیا ہو"

فضیلت مآب اور عزت مآب

جب فضیلت مآب پھجا ہو
اور عزت مآب آجا ہو
یہ گھڑی وہ ہے غیرتِ قومی
تو ہو اور مرگِ قعرِ دریا ہو

قیامِ پاکستان کے بعد کئی اچّھے بھلّے فضیلت مآب اور عزت مآب کہلانے لگے تھے۔

اپنی بولی

بھلا دی اِدھر تو نے اپنوں کی بولی
رواں ہے مگر غیر بولی زباں پر
زمیں پر نہیں ہیں اگر پاؤں تیرے
تو کیا فائدہ سر ہے گر آسماں پر

سہروردی کے نکتہ چیں

سہروردی میں کیا کرامت ہے
اس کی جو چل رہی سیاست ہے
حافظے میں ہیں جمع کچھ قانون
اور آنکھوں میں کچھ شرارت ہے

کسی گود میں وزارت دیکھ کر

اے دوست سوچتا ہوں کہ جب آپ کو وزیر
لیڈر نے خوب سوچ سمجھ کر بنا دیا

ابلیس کو بغاوت و عصیاں کے جرم میں
اللہ نے بھی کیوں نہ منسٹر بنا دیا

آدمی کا مرثیہ

اِک بھینسے اور اِنسان کے ٹکراؤ میں یہ نکتہ پنہاں ہے
جو رہ جائے وہ بھینسا ہے جو مر جائے وہ انساں ہے

ماڈل ٹاؤن میں ایک بھینسے نے ایک آدمی کے ٹکر ماری آدمی بے چارہ مر گیا۔ چونکہ ظالم بھینسا غیر قوم سے تھا اور مظلوم آدمی میری قوم سے تھا۔ اس لیے میں نے مرثیہ لکھا۔ چونکہ دلی درد کی وجہ سے حواس گُم ہو چکے تھے اس لیے بات ایک شعر سے آگے نہ بڑھ سکی۔

خرّاٹے اور فرّاٹے

میں اپنی قوم کے بارے میں ایسی بات کہتا ہوں
کسی میں ہو مجال اِتنی تو میری بات کو کاٹے

نہ اپنی قوم میں اکبرؔ کسی کو نرم رو پایا
کوئی لیتا ہے خرّاٹے، کوئی بھرتا ہے فرّاٹے

پرکھ

خدا دے پرکھنے کی توفیق تم کو
مرے لفظ ہاں رُوح سے یا بدن سے
مرے ساتھیو مت الگ کر کے دیکھو
وطن کی محبت کو اہلِ وطن سے

قتلِ قاتل

صدر کے مرنے سے امریکہ مرا تھا تیرا جسم
قتلِ قاتل سے تو ہم سمجھے تری جاں مر گئی

جبکہ گولی چل گئی قانون کے مہمان پر
عدل اور انسانیت کی روحِ تاباں مر گئی

صدر کینیڈی کے مبینہ قاتل کو اس وقت قتل کیا گیا جب وہ قانون کی حراست میں تھا۔

امریکہ اور انگلینڈ

کب سے پڑھا رہے ہیں استاد یہ ہمارے
اب فکر یہ لگی ہے کیا ان کو فیس دینگے

امریکہ اور انگلینڈ ہیں امن کے محافظ
دنیا کو پیٹس دیں گے ہم کو بھی پیٹس دیں گے

---

(1) Place

(2) ذرا دانت پیس کر پڑھئے اس لفظ کا مفہوم خود بخود کھل جائے گا۔

ٹیلی ویژن کی آمد پر

۱

مجھ کو پہلے ہی وہ یہ کہتے تھے
آدمی کیا ہے اک لفافہ ہے
اُن کو لاکھوں فضیلتیں مجھ پر
ٹیلی ویژن تو اِک اضافہ ہے

۲

فائدے بے شمار ہیں اس کے
بھوک سے کون تلملاتا ہے
دن کو تارے اگر نظر آئیں!
رات ٹی وی کا لطف آتا ہے

۳

ٹیلی ویژن کا لطف تو جب ہے
آنکھ روشن ہو رات کالی ہو
ایک ماہر کی رائے ہیں لیکن
نبض مدھم ہو پیٹ خالی ہو

وزیر کی کود پھاند

دیکھی ہے جب وزیر وزارت کی کود پھاند
مضمون بندھا ہے ایسا کہ ہو چودھویں کا چاند
خیرے کُن اے وزیر و غنیمت شمار وقت
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

• وزیر لوگ ڈسمس ہونے سے پہلے کام میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں تاکہ کٹی کرنے کے لائق کام رہ نہ جائیں۔

ہائے وہ دِن

ہائے وہ دِن کسی شاعر کی سُنی تھی آواز

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں کچھ بھی نہیں

اسی آواز پہ پھر قوم ہوئی گرمِ سفر

اب جو دیکھا ہے پلٹ کر تو کہیں کچھ بھی نہیں

ایک اور آیت الکرسی

کرُسی والا جو کچھُ کہے سچ ہے"

یہ بھی ہے ایک آیت الکرُسیہ

بنگالیوں کے ساتھ ہے ان کے کئے کا بیر
ہندوستانیوں سے کچھ ان کے ہے کا بیر
سُن لیجئے مگر نہ کسی کو بتائیے
بھُٹو سے بیر ہے ہم کو خدا واسطے کا بیر

خانساموں کی بولی

جو بولو تو بولو اماموں کی بولی
نذیر احمدوں بوالکلاموں کی بولی
وقار اس سے اردو زبان کا گھٹے گا
جو بولو گے تم خانساموں کی بولی

برٹرنڈ رسل

علم و حکمت کا خزانہ دردِ دل کا مقبرہ
اس زمانے میں رسل ہے یارِ تیرا اکبرا
اُس سے سچی بات سُن کر داد دیتے ہیں ضرور
ٹس سے مس ہوتے نہیں لیکن کبھی اہلِ جفا
پھول کھِل کھِل کر مشامِ جاں معطر کر گیا
اور صِلہ اس کے سوا کیا ہے کہ ہائے مر گیا
کاش کوئی فلسفی سے سیکھ لیتا اتنی بات
سوچنے کو سر مِلا ہے جس طرح کرنے کو ہاتھ
یہ اگر ہوتا تو شادی مرگ ہو جاتا نہ وہ
آدمیّت کو کسی منزل پہ پہنچاتا نہ وہ؟

پردیسی اُردو

بہت کی تیرے پنڈ کے بیچ گراحی

نہ جلوہ دکھایا نہ جلوی دِکھائی

محبت میں تیری مجا تو بہت تھا

ہمیں یار سیکن موافک نہ آئی

اِلتوا

دھوم دنیا میں میکشی کی ہے

اس نے سینوں میں دوشنی کی ہے

میکشی سے اُنہیں نہیں اِنکار

مولوی جی نے ملتوی کی ہے

پنجابی میں اُردو

تیرا عشق اب گالیاں کاڈھتا ہے
تیرا عشق اب دندیاں داڈھتا ہے
بُری طرح سے یار چمبڑ گیا ہے
چھڈایا بہت ہے نہیں چھاڈتا ہے

حضُور وحدہٗ لاشریک سے ایک سوال

حضور آپ کا فرمان ہے سر آنکھوں پر
کبھی کسی کو نہ میرا شریک ٹھہرائیں
ہر ایک بات میں بنتے ہیں آپ کے جو شریک
انہیں بنایا ہے کس نے حضور فرمائیں

تلفّظ

حائے کا اُن کا تلفّظ "ہائے"

قاف کی اُن کی قرأت وائے!

اُن کی زباں سے کلمۂ حق

جِس نے سُنا ہو مجھ کو سُنائے

سردی

وعظ نے سرد کر دیئے سینے
مار ڈالا ہے ہم کو سردی نے
بات پینے کی اور پلانے کی
کل پہ ڈالی ہے مولوی جی نے

دولت کے سوا

آزادیٔ افکار و نوا کچھ بھی نہیں
تبلیغ میں نعرے کی صدا کچھ بھی نہیں
جنت کے لیے جان گنوانے والو
جنت میں تو دولت کے سوا کچھ بھی نہیں

جب ہمارا جی کانپا

چڑھ کے منبر پہ مولوی کانپا
اور منبر تلے زمین کانپی
اور منبر بھی ساتھ ہی کانپا
سب سے بڑھ کر ہمارا جی کانپا

ہائے میری فوٹو!

"مس صاحبہ! یہ مسکین خُون دینا چاہتا ہے"
یہ کہہ کے "خُون بنک" کی چھت سے اُنہیں بُلائے
وہ خُون لے رہے ہوں کیں خون دے رہا ہُوں
ایسے میں کوئی ہائے فوٹو مری بنائے

شیخ کا خوف

حق تعالیٰ کے خوف کے مارے
لوگ مسجد کی راہ لیتے ہیں
شیخ صاحب کے طیش سے ڈر کر
میکدے میں پناہ لیتے ہیں

ملازمِ شاہ اور فقیر

تمہیں ہے فخر کہ تم شاہ کے ملازم ہو
ہر ایک کام کی خاطر تمہیں بُلاتا ہے
مگر فقیر جسے وہ بُلا نہیں سکتا
یہی کہو کہ تمہاری سمجھ میں آتا ہے؟

غلاموں کی شہنشاہی سے توبہ

جہاں بانوں کی بدخواہی سے توبہ
جہاں بینوں کی گمراہی سے توبہ
یہ سب سچ ہے مگر ہندوستاں میں
غلاموں کی شہنشاہی سے توبہ

سستے چھوٹے

زندگی کا غم تھا بے چارے پہ اک بار عظیم!
خودکشی کے واسطے لینے گیا تولہ افیم!
جب سُنا بازار کا بھاؤ، کلیجہ پھٹ گیا
کس قدر مہنگا سفر تھا اور سستا کٹ گیا

عذر

جب خدا سے مانگتا ہوں کوئی چیز
عجز کرتا ہوں اسیروں کی طرح
اور جو دیتا ہے خدا سے نامہ بر
غدر کرتا ہوں فقیروں کی طرح

میجارٹی کی تائید

ہر بات میجارٹی کی مانیں کیسے
یوں حق کی مخالفت کی ٹھانیں کیسے
فتویٰ تھا میجارٹی کا باغی ہیں حسینؑ
ہم واجبِ قتل اُن کو جانیں کیسے

امتناعِ شراب کی اصل مصلحت

شیخ صاحب کی بات رہ جائے
آدمی بے شرم ہو نہ جائے
بند رکھو شراب خانوں کو
کوئی مستی میں سچ نہ کہہ جائے

شکریہ

تخلیق کی حرارتِ پیہم کے فیض نے
پتھر بنا دیا کہیں گوہر بنا دیا
اے دوست دشمنی کا تری لاکھ شکریہ
مجھ کو ترے ستم نے سخنور بنا دیا

سوال کے جواب میں سوال

سوچو تو یہ موقع بحث کا ہے تکرار کا ہے یا رحم کا ہے؟
جب کوئی غم میں ہنستا ہے یا چپکے چپکے روتا ہے
جو پوچھتا ہے کیوں لکھتے ہو میں اگر اُس سے پوچھتا ہوں
جب درد میں ہائے کرتے ہو کچھ تم کو افاقہ ہوتا ہے؟

اصولِ فن

تو سمجھتا ہے تو کچھ ان سے بتوں کو ٹھیس
اس سے پرہیز نہ کر یہ ہے تیرے فن کا اصول
آج پتھر جو مارتے ہیں اے شاعر
کل چڑھائیں گے یہ آکر تیری تصویر پہ پھول

منسٹر تو ہے آنریبل نہیں ہے

جو قومی مصیبت سے بے کل نہیں ہے
جو ذاتی فضیلت سے افضل نہیں ہے
اُسے خواہ کرسی پہ لاکر بٹھا دو
منسٹر تو ہے "آنریبل" نہیں ہے

بکّی اور جھکّی

(مدیر "مساوات" توجہ فرمائیں)

مُردے کرتے تھے فخر قبروں پر
تیری کچّی ہے میری پکّی ہے
جو مساوات اِس جگہ ڈھونڈے
سخت بکّی ہے سخت جھکّی ہے

حکومتوں کے دو دُکھ

حکومتوں کے لیے
دو ہی دُکھ ہیں حکومتوں کو ناکج ہے
جن کا اے دوست مجھ کے پاس!
جن کا دارو نہیں کسی ایک فالج ہے
ایک کالج ہے

شرم کر

اے دِل تو شرم کر کہ ہمیشہ نماز میں
تجھ کو خیال سُوجھے ہیں اللہ کے سِوا
کیا یہ بھی ٹھیک ہے کہ تو دنیا کے کام میں
اللہ کے خیال سے غافل نہیں رہا

تابکاری

اُن کے جلووں کی تابکاری سے
جو دلِ ناصبور پر گزری
تم تو بے ہوش ہو گئے موسیٰ
یہ نہ دیکھا جو طُور پر گزری

دُنیا کے پیغمبرو جواب دو

لال ہے خونِ کبوتر کی طرح یا آتشیں
اور پسِ منظر میں تاریکی کہ دُنیا دنگ ہے
جنگ کا تو رنگ یہ ہے اے جہاں کے پیغمبرو
لوگ تم سے پوچھتے ہیں امن کا کیا رنگ ہے

وہ ہم اور ہیں

تم اپنے آپ سے واقف نہیں ہو جانوگے کیا مجھ کو
نظر کے سامنے رہ کر جو مخفی ہو وہ شئے میں ہوں
بساطِ زندگانی پر جو میری قدر ہے "تم" ہو
معانی ہیں جو میرا شعر ہے "میں" ہوں

فلکنہ الکسے

میرا رونا

خاک کے ڈھیر میں رُلتا ہوا سونا دیکھا
شاہ کی پوشاک کو دھوبی کا بچھونا دیکھا
پھول جھونکے ہوئے دیکھے ہیں کبھی چولہے میں
اس پہ یاروں نے نہ اکبرؔ میرا رونا دیکھا

تجربہ

تلخیٔ تجربہ سے حلق تو کڑوا ہی رہا
آنکھ نے اُس سے نصیحت کا ثمر پا ہی لیا

سات پردوں میں چھُپا حُسنِ جفا پیشہ ترا
دیکھنے والوں نے اے دوست مگر پا ہی لیا

وضو

بنایا گیا بُدھّو کو پیشِ امام
یہی تذکرہ کو بکو ہو رہا ہے
کوئی دم ہُوا چاہتی ہے نماز
ابھی مولوی جی، وضو ہو رہا ہے

پہیلی

شیخ جی قتل کی تعریف میں پیچیدہ ہوئے
وعظ میں اٹھتی رہی مجھ کو مسلسل کھانسی
آدمی ذرا ورے کو جو قتل کی نقصان کرے
دل پہ پہنچے ہے کہ اس شیخ کو دے دو پھانسی

شراب اور سراب

جنابِ شیخ، ہے نقد اور اُدھار میں کچھ فرق
نشہ ہو جس سے اُسے ہم شراب کہتے ہیں
مگر حضور دکھاتے ہیں جس سے بہشت کا خواب
اُسے ہماری زباں میں سراب کہتے ہیں

یہ

جنگ تھی یا ہاکی کا میچ ہے

گھوڑوں کو جیت فیصلے کے بغیر

ہوتی ہے خبر ریڈیو پر یہ بیچ

مگر جو بیچ میں ہیں کروڑوں عوام

یہ بھی جنگ یاروں کی ہاکی کا میچ ہے

شناسائے خودی

امداد کو ہے ایک جہانِ بد خواہ
آرام کو رہزن ہیں سفر میں ہمراہ
ہم سے ہے بڑا کون شناسائے خودی
ہر پھر کے بس اپنے ہی پہ پڑتی ہے نگاہ

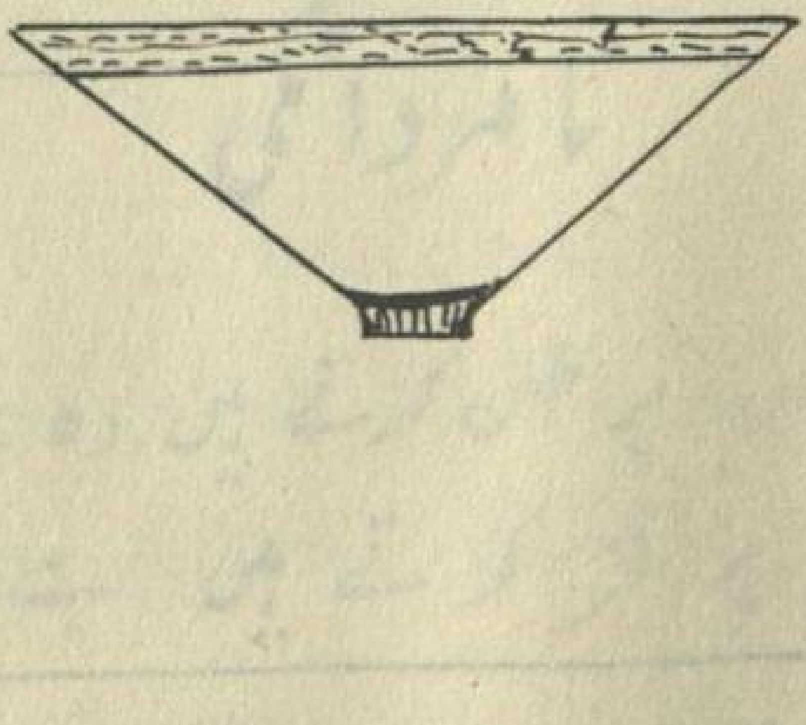
پناہ گاہ

کس کو ملتی ہے روز شراب
مانگ کر گاہ گاہ لیتے ہیں
جن کو ملتی نہیں کہیں بھی پناہ
میکدے میں پناہ لیتے ہیں

ذرّے کی شکست

میرا یہ حقیر دل نہ توڑو
محفوظ رکھے تمہیں الٰہی

ذرّے کی شکست کو نہ بھولو
لایا تھا یہ کس قدر تباہی



جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھٹا تھا۔

شفاخانے کی بجائے تھانہ

اس تغیّر پہ تجھے دوست تحیّر کیوں ہے
کل شفاخانہ تھا جس جگہ وہاں تھانہ ہے آج

یہ شفاخانہ وہی ہے مگر اب ہوتا ہے
قوم کے ہاتھ سے کھائے ہوئے زخموں کا علاج

چوک منٹگمری روڈ اور ایبٹ روڈ کے اتصال پر شفاخانے کی جگہ تھانے کو دیکھ کر۔

میرا نازک دِل

ان میں مُضمر ہے بڑی سنجیدگی
کوئی پڑھنے کا ہو یا لکھنے کا لفظ

لکھتا ہوں تو دل پہ اک لگتی ہے چوٹ
ہائے دو چشمی سے جب "اندھے" کا لفظ

نامردانگی

شیخ، جس پر طعن کرتے ہیں وہ ہے دیوانگی
اور جس پر فخر کرتے ہیں ہے نامردانگی

ہائے ہائے میں فرق

سُنیئے تو ہائے ہائے کا ہر جانب ہے شور بپا،
جس سے دل کا درد فزوں ہے اور تپی ہے موجِ ہوا
اک ہائے ہے اُس کے جگر کی جو ہے گولی کھا کے گرا
اِک ہائے ہے اس کے مُنہ کی جس کا نشانہ چُوک گیا

منافِق رنڈی

ہوتے ہوتے ملک کی ساری فضا
شیخ صاحب کے موافق ہو گئی
پہلے حاجی بن گئے پیرِ مُغاں،
اور اب رنڈی منافِق ہو گئی

ہندو مسلم کا نیا تصوّر

تعریف کر رہا تھا میں گائے کے دودھ کی
کہنے لگے لے بیٹھے ہو کیا ہندوانہ بات

تعریف تم سے سجتی ہے گائے کے گوشت کی
مسلم کا منہ اور اس کے لیے دودھ، دال، بھات

کونین کی چچی

اس کے لبوں سے جا لگی جس نے نہ تھی چکھی شراب
ذائقہ بلبلا اٹھا شرم سے کانپ اٹھی شراب

کہنے لگا کہ بیوقوف کہتے ہیں تجھ کو دُختِ رَز
میں تو کہوں کونین کی تو ہے سگی چچی شراب

نہ مانے

(روحِ حالیؒ سے معذرت کیساتھ)

مانے نہ کہ اس دیس میں کمی ہے کوئی
زر دار کی توند کو جو بڑھتا دیکھے

مانے نہ کہ ہے جذر کبھی مد کے بعد
بازار میں نرخوں کو جو چڑھتا دیکھے

شاباش بہادرو!

جو قیمتوں کی شکایت کرے، ہے کمیونسٹ
بُرا کہے جو خوشامد کو وہ ہے وہابی

تم اپنی راہ سے ہٹنا نہ ایک انچ کہ ہے
تمہارے ہاتھ میں جیل اور بہشت کی چابی!

چابک اٹھانے سے پہلے

خدا نے بنایا ہے اسوار تجھ کو
کرے فخر تو اس پہ جتنا ہے تھوڑا
مگر دیکھ چابک اٹھانے سے پہلے
سواری کو حاضر گدھا ہے کہ گھوڑا

آثارِ قیامت

خورشید و قمر قید ہو گئے ہوں جیسے
شاہینِ فضا صید ہو گئے ہوں جیسے
غائب دل مُسلم سے ہے اللہ کا ڈر!
قرآن کے ورق سفید ہو گئے ہوں جیسے

ہاتھی اور گلہری

ہاتھی نے کہا یہ گلہری سے مخلوق تمام برابر ہے !!
سب ایک خدا کے بندے ہیں ایمان ہمارا اس پر ہے

تم دُور مگر رہنا بیٹا ہر لحظہ پاؤں سے ہاتھی کے
جمہوریت کے جذبے سے نزدیک نہ آنا ساتھی کے

کوّا اور بُلبُل

کوّے نے منہ چڑایا بُلبل کا
بات لمبی تھی۔ یہ خلاصہ ہے

بولی۔ اس کی بھی کیا ضرورت تھی
ویسے ہی منہ یہ اچھا خاصا ہے

واعظ کی بے عملی

صرف ہو جاتی ہیں ساری قوتیں تقریر پر
اور لگ جاتی ہیں باقی نعرۂ تکبیر پر
واعظوں کو بے عمل کہنے سے پہلے سوچ لو
سننے والوں کا اثر کتنا ہے اس تقصیر پر

وُہ

رحمتیں اس پر کہ جو گردن کٹا کر مر گیا
مٹ گیا خود اور ملّت کو جِلا کر مر گیا

کچھ تو اس کی بھی کہو یارو ہے غازی یا شہید
فوج میں لاکھوں کو جو بھرتی کرا کر مر گیا

اگر حسینؑ نہیں ہوں، یزید بھی تو نہیں

ہوس سے پاک نہیں ہوں بلید بھی تو نہیں
میری زبان پہ ہَل مِن مزید بھی تو نہیں

گنہگار ہوں اور طالبِ معافی ہوں
اگر حسینؑ نہیں ہوں یزید بھی تو نہیں

حقیقت

اِک وہ ہیں جو کھاتے ہیں شکار اور کے مارے
اِک وہ ہیں کہ جو کرتے ہیں ہمت سے گزارے

اکبؔر یہ حقیقت ہے نِری بات نہیں ہے،
ہم وہ ہیں کہ جو زندہ ہیں مولا کے سہارے

غم و غصّہ

میخانے سے ملتی ہیں گدھوں کو تو شرابیں
محروم مگر رکھتے ہیں اربابِ ہُنر کو

جی چاہتا ہے خُون ہی پیمانے کا پی لوں
کچّا ہی چبا جاؤں صراحی کے جگر کو

کیا تم زندہ ہو؟

تمہیں دعوٰی تو ہے یارو تمہاری روح زندہ ہے
بتاؤ تو کبھی اک آگ سینے میں سلگتی ہے

کبھی محسوس ہوتی ہے تمہیں کیا پیاس نغمے کی
کبھی ہوتا ہے یوں جیسے ادب کی بھوک لگتی ہے

اہلِ محفل

اہلِ محفل پر نچھاور کر دل و داماں کے پھول
حسنِ اخلاق و مروت کی نہ ان سے مانگ فیس

فن کی ناقدری کے معنی ان پہ کھلتے خوب تر
ہوتے اکبرؔ کے زمانے میں اگر میرؔ و انیسؔ

قومی شاعر

دل کے قریب آگ سلگتی ہے رات دن،
ایسا ہی سارے بھوک کے ماروں کا حال ہے

شاعر ہوں اپنی قوم کا شاید اِسی لیے،
اُن کے لیے بھی کال ہے مجھ پر بھی کال ہے

نیا زاویہ

اے شیخ اپنی راست روی پر نگاہ ڈال،
پھر میری کج روی کو نئے زاویئے سے دیکھ

تصویر بن سکے گی نہ سیدھے خطوط سے
اب نقشِ کائنات کو نظریں جھکا کے دیکھ

معتبر

جسے یقین ہو حضرت کی بیگناہی کا
کسی کے علم میں ایسا گنہگار بھی ہے

بنے تو پھرتے ہو دنیا میں معتبر صاحب!
کسی کو آپ کی باتوں پہ اعتبار بھی ہے

صاحبِ موصوف

ہیں نے انہیں "کتا" کہا
کتّے نے سُنیے کیا کہا

"میں بے خطا حیوان ہوں
کیوں مجھ کو ان جیسا کہا"

مُفلس اَور کم بخت

اک یہ بھی کرشمہ ہے مولا کی عنایت کا
موقع وہ تجھے دے دے انسان کی خدمت کا

مُفلس ہی نہیں بلکہ کم بخت بھی ہے بے حد
جس کو نہ میسّر ہو اک بول محبت کا

خوشبو

یہی چیز ہے جو رگوں میں لہو ہے
یہی چیز ہے جو کہ پھولوں میں بو ہے

اگر شعر کی ماہیت پوچھتے ہو
یہی چیز ہے جو کہ شاعر کی خو ہے

رحمان اور شیطان

وہ مرا خالق بھی ہے مالک بھی ہے رازق بھی ہے
مانتا ہوں اسکو دل سے وہ مرا رحمان ہے

گھات میں بیٹھا ہوا ہے ہر قدم ہر موڑ پر
اس کا بھی منکر نہیں ہوں وہ مرا شیطان ہے

ہم جنس کی تلاش

بُلبُل کے کاروبار پہ ہے پھول اب نہ ہنس
تری ہنسی سے سینۂ بُلبُل ہے پاش پاش

اکبرؔ پیام لایا ہے بُلبُل کے واسطے
جا اور بُلبُلوں میں کوئی پھول کر تلاش

دِل کا چور

حقیقت میں تری رحمت کا حاجت مند ہوں مولا
لپٹ کر بابِ رحمت سے دُعا کرتا رہوں گا میں

دُعا کے وقت بھی لیکن یہ دل میں چور رہتا ہے
خطا مجھ سے نہ چھُوٹے گی خطا کرتا رہوں گا میں

وائلن

تمہاری یاد میں وائلن بھی تھرتھراتا ہے
یہی نہیں کہ فقط میں ہی تھرتھراتا ہوں
یہ سازوہ ہے کہ جس سے بہت ہے پیار تمہیں
تمہارے گیت جبھی وائلن پہ گاتا ہوں

ناکامی

ہزاروں سال سے اشکوں کی پڑ رہی ہے پھوار
مگر زمیں کا کلیجہ نہیں ہُوا ٹھنڈا

ابھی گئی نہیں اس خاکداں کی تاریکی
کروڑوں سال سے روشن ہے مہر کا ہنڈا

خدا لگتی

کہنے لگے بیکار جمگھٹا ہے
اس کا تو کلام پھسپھسا ہے
کی عرض یہ ملح آپ کی تھی
اب آپ کے حسن میں بھی کیا ہے؟

صراحی

مشہورِ جہاں تھے کام میرے
تھے چند بھلے سے نام میرے

مے جب سے ملی ہے صبحگاہی
تب سے مرا نام ہے "صراحی"

قطعات

نگاہِ قہر سے مجھ کو زمانہ "تکتا" ہے
مگر کرم سے انہیں کون روک سکتا ہے

میں ساری باتیں زمانے کی بھول جاتا ہوں
وہ سُن کے کہتے ہیں جس دم "زمانہ بکتا ہے"

بس اتنی بات پہ واعظ کا دم نکلتا ہے
کہ عشق صحبتِ جاناں میں کیوں اُچھلتا ہے

مچلتے آتے ہیں دل سب کے روزِ اوّل سے
مرا کچھ اور انہیں دیکھ کر مچلتا ہے

توقع

زوالِ آدم کے جتنے ساماں ازل سے تجویز ہو چکے تھے
یہیں اس زمانے میں کچھ زیادہ بہشتِ آدم سے کم نہیں ہیں

کمالِ انسانیت کی اے شیخ تجھ سے ہرگز نہیں توقع
مگر جو اک گونہ آدمیت ہے اُس سے مایوس ہم نہیں ہیں

انگلستان کی منفرد جمہوریت

آج تک جمہوریت کو تھا یہیں تک اختیار
مرد کو عورت بنا سکتی نہ تھی، عورت کو مرد

عہد حاضر ہیں مگر یہ روک بھی جاتی رہی
مائیے انگلینڈ ہے آئینِ جمہوری میں فرد

سیالکوٹ کی خصوصیّت

کوئی وطن ہیں شجاعت مہیّا کرتا ہے
کوئی خیال کی عظمت مہیّا کرتا ہے

کسی نگر ہیں خزانے ہیں مال و دولت کے
سیالکوٹ قیادت مہیّا کرتا ہے۔

عہدِ انگریز کی نوکری

ہم نے مُسلم کی نوکری کی ہے
خدمت انگریز شاہ کی کی ہے

سِکھ کی جُوتیاں اُٹھائی ہیں،
پیروِیِ ہنوُد بھی کی ہے

مرض لا علاج کیوں ہے؟

ہو مرض سے شفا تو کیسے ہو
آپ بھی دوست کتنے بھولے ہیں
روگ سب شاہباز ہیں اپنے
چارہ گر جو ہیں وہ ممولے ہیں

صدر کینیڈی کا قتل

مار ڈالا پھر یہاں قابیل نے ہابیل کو
بند کر کے طاق پر رکھ دو میری انجیل کو

اے خدا مٹی ابھی انسان بن پائی نہیں
کتنی مدت چاہیئے اس کام کی تکمیل کو

اِغماض کا گلہ

اے شعر تجھ کو اُن سے ہے اِغماض کا گلہ
لیکن نظر گئی تِری اپنے قصور تک!

پرواز تیری فرش سے تا عرش تو رہی
تو جا سکا نہ اِن کی حدودِ شعور تک

اکڑ فول

وہ آپ کی دُنیا ہے یہ فرماتے ہیں حاکم
پتّا بھی جہاں ہلتا ہے تو حُکم خدا سے

اِک بار ہمیں آنے تو دو باغ ہیں اپنے
ہِل جائیں گے پتّے میری موٹر کی ہوا سے

اپنی کوشش

درد کا راگ نئے جوش سے گایا جائے
اپنی کوشش ہے کہ بہروں کو سنایا جائے
خونچکاں پلکوں سے اس نقش کی تزئین کریں
یہ نیا نقش ہے اندھوں کو دکھایا جائے

اُونچے نرخ

باپ بیٹوں میں ہوئی اس بات پر خُوں ریز جنگ
کیوں نہ جلدی سے ٹریکٹر کھیت پر لائے گئے
مدعا یہ تھا کہ اُن نرخوں سے لے لیں جلد کام
آسماں تک جو بڑی مشکل سے پہنچائے گئے

افشاں کی صدارت

اے یار تری زلفیں یوں بکھری ہیں دو رویہ
جیسے کہ یہ جلسہ ہے افشاں کی صدارت میں

پردہ نشیں

نام لیتا نہیں بائیس[۲۲] گھرانوں کا کوئی
ایسے اِخفا بھی کبھی قوم کے کام آتے ہیں
اُن کی فہرست نکلتی نہیں اخباروں میں
اِن میں کیا پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں!

شکستیں

اِس انتخاب میں کھائی برادری نے شکست
مفادِ صوبہ پرستی کی برتری نے شکست
حکایتِ غمِ سرمایہ پوچھتے کیا ہو
اِس انتخاب میں کھائی تونگری نے شکست

دروغ بافروغ

جھوٹ کو اِتنی ترقی؟ جھوٹ کو اِتنا فروغ
سچ کے مالک، سچ کے خالق اِس کی بدحالی کو دیکھ
صاف کہتے ہیں جہاں میں سچ نہ اُبھرے گا کبھی
جھوٹ کی محفل میں قوالوں کی قوّالی کو دیکھ

راجہ۔رانی

محبت کی دنیا میں ہر کوئی راجہ
محبت کی دنیا میں ہر کوئی رانی
مگر جو محبت ہو صرف ایک دِل میں
یقیناً ہے دیوانگی کی نشانی

ایک صاحبزادے رانی نامی ایکٹریس کی محبت میں دیوانے ہوئے جارہے تھے، ان کی تسلّی کیلئے لکھا۔

درباری گاؤ

محفل کا رُخ صاف ہے، ناہیں الجھاؤ
اپنے مَن کے راگ سے کھاتے ہیں تاؤ

سوز ساز اور دیس بلاول چھوڑ کے
طبلہ بجاؤ پیٹ کا درباری گاؤ

ساس اور نوح کا قصّہ

حاکمِ وقت ہے اور معرکۂ حفظِ وطن
رشوت آزاد ہے اور زور پہ مہنگائی ہے

ہے اِسی حال کی یہ مصرعِ موزوں تصویر
ساس گھر میں نہیں اور نوُح کی بن آئی ہے

اپنی اپنی بیٹی

دیکھتا ہوں آمبر کی بیٹی ٹائی سے اور گھڑی سے کھیلتی ہے
اور بیٹیا حبیب جالب کی باپ کی ہتھکڑی سے کھیلتی ہے

سکے کی قیمت

گراؤ یا کہ اٹھاؤ تمہارا سکہ ہے مگر ہو شرط کہ انسان کی آبرو نہ گھٹے
ہے اختیار تمہیں پھر سے نخل بندی کا چمن کے چہرۂ زیبا سے رنگ و بُو نہ گھٹے

یہ بھی خیال رہے

نئی زمین، نئے آسماں کے منوالو
سنو پیام غریبوں کی سرد آہوں کا
کسی "بہشت" کی تکمیل ملتوی ہو جائے
مگر خیال رہے منتظر نگاہوں کا

ے قومی شاعر حبیب جالب جب پولیس کی حراست میں تھے ان کی بیٹی باپ کی ہتھکڑی سے کھیلنے لگی۔

خدا نہ کرے

جہاں انسان بیٹھیں اپنے گھر میں خوانِ نعمت پر
نمائش اسلحہ کی ہو، خدا وہ دن نہ دکھلائے
اگر ہو ناشتے کی میز پر پستول کی گولی
عجب کیا ہے کسی کے حلق میں وہ بھی اُتر جائے!

لوہا اور مقناطیس

اختلاطِ مرد و زن سے چڑ ہے کس ابلیس کو،
کون لوہے سے جدا رکھے گا مقناطیس کو!

سانحۂ کالاباغ

کتنے ہی نقش اُبھرے ہیں اکبرؔ کے ذہن پر
اِس نا سعید واقعۂ کالا باغ سے
سب پر مگر محیط ہے شاعر کا ایک قول
"اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

اپنا اپنا مقدّر

نواب کالاباغ کے درجے کے لاکھوں باپ
تکتے ہیں اِس معاملے کو آنکھیں پھاڑ کر
بیٹے غریب گھر کے بصد الفت و نیاز
پہناتے ہیں جو باپ کے جوتے کو جھاڑ کر

بشنو

فتوحات

دیکھیں کبھی تاریخ میں اکبر کی فتوحات
یا چشم تصور سے سکندر کی فتوحات
گر شکر کی توفیق ہو سجدے سے نہ اٹھیں
حاصل ہیں جنہیں ووٹ کے پیپر کی فتوحات

انقلاب اور کسے کہتے ہیں

مدتوں شور قیامت سے جگایا ہم نے
وہ جو مزدور کی تقدیر تھی اب جاگی ہے
انقلاب اور کسے کہتے ہیں آنکھوں والو
مصلحت قصر سیاست سے نکل بھاگی ہے

کوشش کی حد

کون کہتا ہے نہ ہو دہر میں بالا کوئی
اپنی تقدیر کا ڈھونڈے نہ اُجالا کوئی
ہاتھ پَیر آپ بھی ماریں مگر ایسا نہ لگے
ناچنے والی ہے یا ڈوبنے والا کوئی

ذلیل پیشہ

نوکری اک ذلیل پیشہ ہے
جس سے ہے بس ذلیل تر "پیشہ"
شیرِ نر اِس میں "میش" کہلائے
میش ہو تو اُسے کہیں "میشہ"

عجیب نسخہ

بربادیِ طیارہ پر سنتے ہی ہو سادات نے
آتے ہی افسر سے کہا "افسر میاں چھٹی کرو"
تم کو بھی افسر سے ہو گر ایسی شکایت دوستو!
نسخہ عجیب ہاتھ آگیا، کہ دو کہ "ہاں چھٹی کرو"

انوارالسادات سربراہِ مملکت مصر نے دیکھا کہ اڑان سے قبل طیارے کا امتحان نہ کیا گیا تھا۔ اس لئے طیارہ ہوا میں جاکر تباہ ہوگیا۔ سادات نے محکمے کے انچارج کو فوراً برخاست کر دیا۔

تم جیت گئے میں ہار گیا

اک ذوق سفر سے بجرے میں بیٹھا تو سمندر پار گیا
اک جوشِ عمل کی مستی میں اٹھا تو جوانی وار گیا
القصّہ یہ ہمت دکھلائی ہے دیس کے عام انسانوں نے
کیا بات کہی ہے لیڈر نے "تم جیت گئے میں ہار گیا"

نوٹ :- ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں زبردست اکثریت حاصل کرنے کے بعد لاہور اسمبلی چیمبر کے سامنے عوام کو خطاب کرتے ہوئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو چیرمین پیپلز پارٹی نے فرمایا دوستو "تم جیت گئے میں ہار گیا"۔

محمد ظہیر

وہ اک شاعر ظہیرؔ سیالکوٹی
ہیں کیا تم سے کہوں وہ چیز کیا ہے
میرا سینہ صنم خانہ ہے اکبرؔ
صنم خانے کے اندر دیوتا ہے"

ٰ یہ مصرع ظہیرؔ کا اپنا ہے۔

قصیدہ کہ لوحِ مزار؟

شاعر کو تم سے ایک تعلق ضرور ہے
دُکھ دیجئے اُسے نہ مگر انتظار کا
بولو کہ آج اس سے قصیدہ لکھاؤ گے
مضمون یا کہ بعد میں لوحِ مزار کا

سزا

سچے کو کہتے ہو جھوٹا، رب تمہیں اِس کی سزا سے بچائے
جھوٹے کو کہنے لگو سچا، مالک ایسا وقت نہ لائے

جرعۂ نایاب

نورِ باطن کے وہ اسباب کہاں سے لاؤں
ظلمتِ شب کے لیے تاب کہاں سے لاؤں
پی کے منبر پہ کبھی شیخ بھی سچی کہہ دے
ہائے وہ جرعہ نایاب کہاں سے لاؤں

اِنقلابی

دنیا میں انقلابی اگلا ہو یا کہ پچھلا،
جس راستے سے آیا، اُس راستے سے نکلا

ادب نواز حاکم وقت سے

جی چاہتا ہے آپ کے قربان جائیے
اور ساتھ ہی یہ بات بھی دل کی سُنائیے
جب چاہیں یاد کیجئے خادم سے ہو جو کام
اکبر کو دیکھنا ہو تو تشریف لائیے

فرماتے تھے کہ اکبرؔ صاحب تم ملنے نہیں آتے۔ عرض کیا کہ اہلکار کے ذمے کوئی خدمت ہو تو یاد فرمائیں۔ لیکن شعر و شاعری کی ضرورت ہو تو تشریف لائیں۔

عالمِ حرص

گُلشن کے اندر اہلِ ہوس کی حرص کا عالم کیا کہیئے،
ہاتھوں سے پتّی دیکھتے ہیں نظروں سے گُل کو چھوتے ہیں

تُو اَور مَیں

تجھ میں خوبی یہ ہے اے جاناں کہ تُو ہے خوبرُو
میری کمزوری فقط یہ ہے کہ میں کمزور ہوں

ظرفِ مَیخوار

چھلکنا حُسن ہے مَے کا اگر وہ جام سے چھلکے
مگر وہ مَے نہیں قَے ہے جو مَے آشام سے چھلکے

ملزم کا بیان

ملزم کے بیان پر حیرت تھی ہر ایک نگاہ سوالی تھی
"مَیں چور نہ تھا صاحب، لیکن وہ چیز چُرانے والی تھی"

بہانے نہ بنا

گر نہیں ہمت تو کر مَے سے گریز
شیخ جنت کے بہانے سے نہ رُک

تقریر کا مرض

تشخیص پر مرض کی کیوں سر کھپا رہے ہو
اس قوم کو طبیبو تقریر ہو گئی ہے

اصول؟

کرتے تھے شیخ بات بگڑ کر اصول کی
پڑ اصل میں یہ بات تھی قبض الوصول کی

اِسلام اور مُسلم لیگ میں فرق

شاہی مسجد میں ہے اور مینارِ آزادی میں فرق
فرق جو اِسلام میں ہے اور مُسلم لیگ میں

لاہور میں مینارِ آزادی شاہی مسجد کے پہلو میں ہے۔

عید اور محرّم

لُٹی ہے قوم کی توقیر اور مجھے غم ہے
مرا ضمیر اس آفت پہ وقفِ ماتم ہے
تم اپنی ذاتی وجاہت کا اہتمام کرو
تمہاری عید ہے یارو میرا محرّم ہے

تمہارا نرخ

غلط خیال ہے نقد و نظر کی منڈی میں،
تمہاری جنس سے اوروں پہ پڑگئی ہے اوس
تمہاری جنس پہ ہرگز نہیں ہے جائے حسد
تمہارے نرخ پہ گو ہے کسی قدر افسوس

مجذوب کی بڑ

بازارِ پشاور میں یہ کل کہتا تھا مجذوب
قہّار کی خفگی کے کچھ آثار تو سمجھو
گر ترکِ گنہ کی تمہیں توفیق نہیں ہے
اور بد پدر و خود کو گناہ گار تو سمجھو

آپ کی کوشش؟

نسلِ آدم سے سر اُٹھایا ہے
آدمی زادہ نام پایا ہے
اِس قدر تو بنایا خالق نے
آپ نے خود کو کیا بنایا ہے

توپ کا ڈر

سچ تو کہہ دوں کہ مجھے سچ سے محبت ہے بہت
لیکن اے دوست مجھے توپ سے ڈر لگتا ہے،
تجھ سے ملنے تو چلا آؤں مگر آج کی رات
یہ اندھیرا ہے گھٹا ٹوپ کہ ڈر لگتا ہے

ایک ہی نقص

جس سے کافور ہو تاریکیٔ شب
تم میں خورشید نہیں ہے کوئی
اور تو تم میں کوئی نقص نہیں
تم سے اُمید نہیں ہے کوئی

شریف زادہ

سوار ہوتا ہے جیسے پیادہ سے بہتر
بڑی صفت ہے بڑے خانوادہ سے بہتر
بشر کا جسم ہے جیسے لبادہ سے بہتر
شریف زادہ ہے نواب زادہ سے بہتر

میں چودھری شریف احمد صاحب باجوہ کے فرزند حنیف احمد کو پیار سے "شریف زادہ" کہا کرتا ہوں۔

کسرِ نفسی

طبع کو عاجزی ملی کیسے
شرم مجھ کو نہیں بتانے میں
کسرِ نفسی نہیں میرے محسنؔ
توڑ ڈالا مجھے زمانے نے

پنجابی شاعر محمد امین محسن نے کہا اکبر صاحب آپ کسرِ نفسی سے کام لیتے ہیں۔ اِن کے جواب میں سچ سچ عرض کیا۔

ترجمہ از گلستانِ سعدی

پتھروں کو باندھ کر کُتّے چھوڑ رکھے ہیں
اس حویلی کا مالک اک حرام زادہ ہے
آدمی کو کاٹ کھائیں، اس کی بوٹیاں اڑائیں
اِس حرام زادے کا بس یہی اِرادہ ہے

تصویر کا تحفہ

غیر کو تو پاس بلوانے کا ہے مژدہ دیا
اور ظالم نے ہمیں تصویر پر ٹرخا دیا
اِک جھلک تصویر میں اُن کی ہے لیکن دِل نہیں
صاف ہے اِس میں اشارہ تُو کسی قابل نہیں

شعرِ حاضرؔ

مَیں سمجھتا ہُوں وہ مائل ہیں سزا دینے پر
گرچہ ظاہر ہے کہ میری کوئی تقصیر نہیں
شعرِ حاضرؔ سے تسلّی ہے مرے سینے میں
بچ نکلنے کی اگرچہ کوئی تدبیر نہیں
"شرطِ انصاف نہیں، عدل کی زنجیر نہیں
عہدِ انگریز ہے یہ، عہدِ جہانگیر نہیں"

سیالکوٹ میں جناب غلام محمدؐ صاحب حاضرؔ کا دولتکدہ مرجع ادباد شعرا ہے
انہوں نے عہدِ انگریزیں یہ شعر کہہ کر اچھی خاصی مصیبت مول لے لی تھی ۔

ریاضی کا مضمون

(۱)

جس بدنصیب کو ہو ریاضی سے واسطہ
ہر روز اس کے واسطے یوم الحساب ہے

(۲)

ختم ہوتا نہیں الجبرے کا گھنٹہ ہرگز
میرے مولا کہیں گھڑیال کو موت آئی ہے!

دیال سنگھ ہائی سکول میں نویں دسویں میں پڑھتے ہوئے یہ شعر ہوئے تھے، چونکہ مہربان اساتذہ نے بارہا اِن کا حوالہ دیا اِس لیے شعر درج کیے گئے۔

حقیقت پسندی

خرد سمجھی نہیں تا حال امکاناتِ ذرہ کو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
دبانے سے بٹن کے جس نے دیں بجلی کی تنویریں

بڑی دولت ہے دنیا میں جو ہو فولاد کی بھٹّی
پگھل جاتی ہیں اس کے بعد کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جوبلی

منائی ہے اُس نے نزاکت کی جوبلی
نزاکت کی جوبلی، نفاست کی جوبلی
مگر ہم نہیں سال گننے کے قائل
سمجھتے ہیں اس کو سیاست کی جوبلی
سُنا دو انہیں فیصلہ یہ ہمارا
منائیں گے ہم بھی حماقت کی جوبلی
رقیبوں کو چیلنج ہم نے دیا ہے
منائیں گے اُن کی رقابت کی جوبلی
خوشی میں کرو کاش اکبرؔ کو شامل
مناؤ تُم اپنی سخاوت کی جوبلی

ظہیر کی شادی پر

ارادہ گھر کے بسانے کا جب کیا ہم نے
ظہیر بارِ امانت اٹھا لیا ہم نے
خدا نے جس کی نہیں دی خبر فرشتوں کو
وہ راز سینے میں اپنے چھپا لیا ہم نے
تجھے تو پایا تھا ہم نے یگانہ و یکتا
دوئی پسند ہے تو بھی یہ کیا سنا ہم نے
ہمارے نقشِ قدم نے کیا تجھے گمراہ
کئے کی پائی ہے اکثر یہی سزا ہم نے
حرم کا ذکر خدا جانے اب کہاں ہوگا
تجھے تو کردیا وقفِ حرم سرا ہم نے
خدا کرے تیری جرأت کو برگ و بار ملے
دعا کو بہرِ اجابت یہ دی صدا ہم نے

کسی کے حکم سے اکبرؔ ہے سرد و گرمِ حیات
مگر بہ شرطِ ادب مان لی خطا ہم نے

سیالکوٹ میں ظہیر صاحب ایڈووکیٹ کا دولتکدہ وہ جگہ تھی جہاں قوم - اسلام اور حرمِ پاک کے مفاد کا ذکر اکثر ہوتا رہتا تھا - ان کے وقفِ حرم سرا ہونے پر قدرتاً یہ خیالات ذہن میں اُبھرے ۔

"ہم"

(ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور)

ایک ہندو ہے ایک مسلم ہے
اور ہیں تیسری جماعت "ہم"
مل بھی سکتے ہیں ہندو و مسلم
ہو بھی سکتے ہیں اِن کے جھگڑے کم
"ہم" کو خوش کوئی کر نہیں سکتا
اس میں بنیادِ بغض ہے محکم
"ہم" کو درکار زندگی کا لہو
"ہم" کو محبوب زندگی کے الم
"ہم" کو منظور خانۂ ویراں
"ہم" کو مطلوب بے کسوں پہ ستم
زخم ہنستے ہیں پھول کھلتے ہیں
بے ضرورت ہے نسخۂ مرہم

"ہم" سے جاری ہوئی ہے لُوٹ کھسوٹ
"ہم" نے تھاما فساد کا پرچم
"ہم" نے سمجھی الاٹ منٹ بہشت
باغ گیتی کا ورثۂ آدم
گرچہ نزدیک تر ہے امنِ جہاں
"ہم" ہیں اِس راستے کے سنگ گراں

کلچرل شو

کیوں نہیں آئی ناچنے والی
کیا تم پہنچے تھے اس کے گھر

اسکے باپ کو پکڑا ہوتا
توڑا ہوتا بھائی کا سر

اس نے جو انکار کیا ہے
اس کی سمجھ پر نو سو پتھر

ایسا موقع کب ملتا ہے
راجہ کے دربار میں آکر

ناچ دکھائے ناچنے والی
راجہ کی نظریں ہوں اُس پر

اس کو نہ آنا تھا تو کہتے
سو رہو بدقسمت کچھ کھا کر

کیا کر سکتی تھی بے چاری
تم ہو حاکم، تم ہو افسر

کوئی تمہارا کیا کر لیتا
لے آتے جو اس کو اٹھا کر

وہ نہیں آئی تو کیا بگڑا!
زندہ باد ہمارا کلچر!!

وہ دیکھو رسّے پر ناچا
وہ دیکھو آیا بازی گر!

وہ دیکھو سانڈوں کی کشتی
وہ دیکھو بینڈھوں کی ٹکر

وہ دیکھو کاغانی بکرا!
جس کی پیٹھ پہ موٹا بندر

کالا بکرا ریچھ کا پوتا
موٹا بندر لال چقندر

بندر کی ہوشیاری دیکھو	چکر پر لگتے ہیں چکر !!
چابک پر چابک برساؤ	ناچے گھوڑا ناچے اشتر
کلچر شو کے لئے کافی تھے	ایک مداری ایک قلندر
زندہ باد ہمارے شاعر	مضمون چھوٹا مصرعہ گز بھر
دیکھنے والے لُطف ہی لیں گے	لطف بھرا ہے ان کے اندر

ایک شہرۂ آفاق ایکٹرس کو بڑے صاحب نے بُلا بھیجا، وہ نہ آئی تو اُس پر قیامت گزر گئی۔

اِس واقعہ کی یاد—

پٹیالے کی گائیکی میں

عرصے سے کچھ خبر نہ تھی اہنا شاسنگھ کی!
بھارت سے گرچہ لوگ بہت آتے جاتے ہیں
کہتے تھے وہ جو آپ کے جوہر شناس ہیں
اب ریچھ پالتے ہیں تو بندر نچاتے ہیں
ہم کو بھی کچھ ہے ان کے کمالات کا پتہ
ہم نے بھی جو سنا ہے وہ سب کو سناتے ہیں
سب کام چھوڑ چھاڑ کے اللہ رے شوقِ علم
پٹیالے میں وہ جنتا کو اُرد و پڑھاتے ہیں

اہنا شا سنگھ دفتر میں میرے افسر تھے آپ کی باقاعدہ تعلیم دسویں جماعت تک تھی اور غالباً دسویں جماعت بھی آپ نے اردو کی بجائے گورمکھی لے کر پاس کی تھی، میں نے فارسی میں آنرز کے ساتھ بی-اے پاس کیا تھا کہ بدقسمتی نے مجھے اس دفتر میں شعبہ اردو سے منسلک کر دیا، اس شعبے میں قلم گھستے پندرہ برس

بیت گئے کہ ترقی کا ایک معمولی سا موقع نکلا، افسر صاحب نے شرط لگائی کہ میں پہلے از سرِ نو اردو میں اپنی قابلیت کا امتحان ان سے کروالوں۔ میں نے پوچھا کہ ممتحن کون ہوگا، فرمایا "ما بدولت بہ قلم خود"، میں نے امتحان دیئے بغیر فیل ہو جانے میں ہی مصلحت سمجھی، اس واقعہ کی خلش دل میں تھی کہ ایک صاحب مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ آج کل وہ تمہارے ممتحن صاحب کہاں ہیں۔
ان کے جواب میں یہ اشعار بے ساختہ ہوگئے، میں نے سمجھا کہ ان اشعار کو اس مجموعے میں شامل نہ کرنا، ایسے عجوبۂ روزگار اور جامع کمالات افسر کی یاد سے شدید بے انصافی ہوگی اور بے انصافی کو میں نے ہمیشہ بہت بڑا جرم سمجھا ہے۔

اس لئے ملاحظہ ہو۔

سیالکوٹ

زردار کہ جن کو کام نہیں
دُنیا میں حصولِ زر کے سوا

نادار کہ جن کو شکم کے لیے
کچھ بھی نہ ملا پتّھر کے سوا

اخبار، کہ جن کے دفتر میں
مضموں نہیں دردِ سر کے سوا

شاعر کہ جنہیں مطلوب نہیں
احباب سے دادِ ہنر کے سوا

محبوب کہ جن کو کہہ نہ سکیں
موتی کے سوا گوہر کے سوا

انسان کہ جن کا نام نہیں
اس شہر میں کچھ افسر کے سوا

درویش کہیں دیکھا نہ گیا
مسجد کے سوا منبر کے سوا

ایوانِ تدبر میں نہ ہوا،
جلسہ کوئی شور و شر کے سوا

اس شہر کو بھی لاہور کہوں،
اے اکبرؔ چڑیا گھر کے سوا

کشمیر کا قصّہ

جب تک اپنا ضمیر زندہ ہے
قصّۂ کاشمیر زندہ ہے
سرفروشوں کے گرم خوں کے طفیل
خطّۂ بے نظیر زندہ ہے
خاک میں مل کے بھی وطن کے لیے
میرا بدرِ منیر زندہ ہے

اسلام کی بیویاں

تم کو حیرانی ہے یہ اسلام کے فرزند ہیں
جو سدا لڑتے ہیں اور مصروف قیل و قال ہیں
یہ نہیں اسلام کے فرزند تم سوچو اگر
بیویاں اسلام کی ہیں اور کچھ سسرال ہیں

خالی نام

مسلم کا ہو تو ہے مٹھو ہندو کا ہے گنگا رام
یہ طوطا جنگل کا باسی چوری کھانا اس کا کام
رام رام یا اللہ اللہ چیخ چیخ کو بولے جائے
اِن کا مسمّی کوئی نہیں ہے یہ تو ہیں بس خالی نام

ایک ہی راہنما

اسلام نے یہ درس دیا ہم نے سُن لیا
اپنا نہیں ہے کوئی خدا ایک کے سوا
اپنے لیئے اصول مگر یہ بھی چُن لیا
اپنا نہیں ہے راہنما ایک کے سوا

سعیِ ناکام

قابلیت کو چھپانے کی بھی کوشش کر لو
نارِ سوزاں کو خس و خار سے ڈھانپا ہی کرو
تم کو معلوم نہیں اپنے عمل کا انجام!
سعیِ ناکام کی تکلیف سے ہانپا ہی کرو

پروفیسر اشفاق احمدؒ کی گمشدگی

ہو گیا مشکل ملاپ اشفاق سے
جولیٹ وہ رومیو ہم ہو گئے
ریڈیو کی اوڑھنی کو اوڑھ کر
مولوی صاحب کی بیگم ہو گئے

پروفیسر اشفاق عرف "تلقین شاہ" سے ملنے کی کوشش کی مگر سعیِ بسیار کے باوجود مل نہ سکے۔ یہ قطعہ ہو گیا۔

صدیقہ بیٹی

بیٹیاں بھی عجیب دولت ہیں
بیقراری ہے مفلسی کی طرح
گرچہ ہے میری جان صدّیقہ
عارضی شے ہے زندگی کی طرح

بندۂ مومن کا مورال

ہے گفتۂ واعظ میں خطابت کا کمال
دیدارِ خدا سے ساتھ حوروں کا وصال
اس کو بھی ہے جنّت کی حقیقت معلوم
ہے مدّنظر بندۂ مومن کا مورال

آگ اور پانی

چشم و دل کو مل گیا کیسے یہ دو گونہ عذاب
زادۂ دریا ہے پانی زادۂ اخگر ہے آگ
دل جلوں کے جوشِ گریہ نے یہ پوچھا رات بھر
کتنے پانی میں ہے دریا کتنے زوروں پر ہے آگ

"لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا"

آج تک بھولی نہیں اپنی مسلمانی مجھے
یاد کروا دی تھی جب اسلام نے نانی مجھے

ایّوب اور ذاکر حسینؒ

بّرِ صغیر ہند میں ایّوب خاں ہیں صدر
رتبہ یہی عطا ہُوا ذاکر حسینؒ کو
اسلام کے وقار کے دُشمن سے پوچھئے
اس کیفیت نے لُوٹ لیا جن کے چین کو

ایوب خاں صدر پاکستان اور ذاکر حسینؒ صدر ہندوستان ہم عصر تھے۔

حقیقت پسند

اپنی آنکھوں پہ دیکھنے والے
آج کل اعتبار کرتے ہیں
ہجر میں کون جان دیتا ہے
بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں

تقسیمِ کار

تقسیمِ کار یہ ہے بروئے معاہدات
کیفیت اس نظام کی تُم کو دکھاتے ہیں
ہر کوئی اپنے کام میں دیکھو لگا ہُوا
ہم حال کھیلتے ہیں وہ ڈفلی بجاتے ہیں

ناقابلیّت

مجھے دوستو قابلیّت کا دعویٰ
نہ تھا اور تم جانتے ہو، نہ ہوگا

مگر آپ کی طرح ناقابلیّت
جو مجھ میں ہے تم جانتے ہو رہے گی

یہ وُہ شخص ہے جس کو ہم نے نہ جانا
اگر میں نہ ہوں گا، تو دنیا کہے گی

محتسب

نہ چھپ سکے ہیں، نہ چھپ سکیں گے کسی کے اعمال محتسب سے
نگاہ اُس کی ہے آفتابی، گرفت اُس کی ہے لامکانی

آزادیٔ خیال

آزادیٔ خیال مبارک ہے آپ کو
گر متفق ہیں آپ ہمارے خیال سے
گر یہ نہیں تو بیٹھیے منقار زیر پر
کیا فائدہ ہے امن شکن قیل و قال سے

بے مسرت زندگی

دوستوں کی بے رُخی کا شکریہ
دوستی کی بے کسی کا شکریہ
موت کی تلخی گوارا ہو گئی
بے مسرّت زندگی کا شکریہ

بادشاہ اور شاعر

ایک شاعر سے بادشا نے کہا
میں مسلمان نہیں مُصلّی ہوں
مجھ کو دینارِ سُرخ مت سمجھو
مَیں تو چاندی کی اِک روپلی ہُوں

بدتمیز اور بدمعاش

بد معاشی بہت بُری شئے ہے
رزق محنت سے ہو تلاش اچھا،
تجربے نے مگر بتایا ہے
بدتمیزوں سے بد معاش اچھا

مشورہ

فرائض کی گراں باری نے گردن کو تھکایا ہے
جُھکے ہیں کثرتِ افکار سے تدبیر کے کندھے
تم اپنی ساری ذمہ داریوں کو ڈال دو اِن پر
کشادہ بھی ہیں اور مضبوط بھی تقدیر کے کندھے

بدذات

تجھ سے بدذاتی اگر کی ہے کسی بدذات نے
منظرِ فطرت ہے یہ دل کو نہ کر اندوہگیں
چھپ نہیں سکتا کمینے سے کمینہ پن کبھی
باولا پن باؤلے کُتّے سے دب سکتا نہیں

صحبت اَور مصاحبت

اکبرؔ میرے دل میں ہے وہ ذوقِ صحبت
یاروں کی ہے خاکِ پا سے مجھ کو اُلفت
گزرے جو مصاحبت میں تو دولت کی
اس لمحۂ زندگی پہ سو سو لعنت

اُن کی آنکھیں

میں سناتا تھا تو میری بات سنتے ہی نہ تھے
اب جو اَوروں سے سُنی کہنے لگے کیا بات ہے
ان کی آنکھوں کو کہوں کیا دوست جن کے سامنے
کوئی دن کہہ دے تو دن ہے رات کہہ دے رات ہے

خودکشی

نوکری دنیا میں جس کا نام ہے
خودکشی کی کوشش ناکام ہے
دانہ پانی کی طلب میں آ گرے
اب جو دیکھا ہے تو اوپر دام ہے

جرّاحی پر فخر

پھنسی پھوڑا بن کے رہی اور پھوڑا بنا ناسور
جراحوں کو اپنے فن پر ہوگا فخر ضرور

مثنوی

چور راجہ

مصنّف

اکبر لاہوری

پیش کش: بخدمت خان نصیر الدین خان
جن کا حساس دل میرے افکارِ
پریشاں کی پناہ گاہ ہے

خاکپائے دوستاں
(اکبرؔ لاہوری)

پیش لفظ

ہم بھی تو وہی خونِ جگر پیتے ہیں
ہم پر بھی اسی حال میں جگ بیتے ہیں
اگلوں میں وہ کیا بات تھی جو ہم میں نہیں
اِلّا کہ وہ مر گئے ہیں ہم جیتے ہیں

اِنتساب

یہیں کہیں اپنے شہر لاہور میں کسی غریب کا جنازہ جارہا تھا۔ پیچھے پیچھے غریب کی جَورو یوں بین کرتی ہوئی جارہی تھی۔

"تو وہاں جارہا ہے جہاں دانہ نہ پانی!"

"تو وہاں جارہا ہے جہاں دیا نہ بتی!"

"تو وہاں جارہا ہے جہاں چارپائی نہ بستر!"

پاس کھڑے ہوئے ایک میراثی زادے نے اپنی ماں سے پوچھا "اماں! کہیں اس مُردے کو ہمارے گھر تو نہیں لے جارہے ہیں؟" مجھے اس صاحب نظر میراثی زادے کا پورا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ نہیں تو مَیں یہ مثنوی اس کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی سے منسوب کرتا۔

حمد حق سبحانہٗ

ترا شکر ہے پاک پروردگار
زباں پر ترا ذکر ہے بار بار

میرے دل میں ڈالا ہے تو نے یہ خیال
کہ لازم ہے انسان کو خوفِ مآل

زباں میں ہے جب بات کرنے کی تاب
تو اِس پر ترا ذکر ہو بے حساب

مبادا نہ جب اِس میں طاقت رہے
تو پھر ذکرِ حق سے ندامت رہے

تجھے آج کرتا ہوں اس پہ گواہ
یہی ہے ترے بندے کا زادِ راہ

ثنائے پیغمبر علیہ السّلام

میرے بادشاہ ہیں رسولِ کریمؐ
یہ ہے مجھ پہ احسانِ ربِّ رحیم

کرم مجھ پہ فرما رہے ہیں حضورؐ
اگرچہ ہوں مجروحِ فسق و فجورؒ

مگر نام اُن کا ہے وردِ زباں
مجھے نسبتِ بندگی ہے وہاں

فرشتے جہاں ہاتھ باندھے ہوئے
کھڑے ہیں کہ اذنِ شفاعت ملے

ذکرِ پیر رحمتہ اللّٰہ علیہ

جہاں میں ہیں مشہور جو غوثِ پاکؒ
یہ ہے خاکساران کے قدموں کی خاک

انہیں کا ہوں درویش ان کا ملنگ
جبھی بات کہتا ہوں یوں بے درنگ

حبیبؒ موحّد سے بیعت ہوں میں
کئی نیک ناموں پہ تہمت ہوں میں

سببِ تصنیف

میرا سینہ ہے کوہِ آتش فشاں،
دبی دِل کے اندر ہیں چنگاریاں

سلگتی ہے جب میرے سینے میں آگ
نکلتے ہیں دل سے زباں سوز راگ

مگر کوئی ان سے ہراساں نہ ہو
مرے شعر سن کر پریشاں نہ ہو

جہاں شعرِ اقبالؒ ہو بے اثر
وہاں میری گفتار سے کیا خطر!

حقیقت میں یہ قہرِ درویش ہے
کہ جس سے اسی کا جگر ریش ہے۔

کسی شہر میں ایک چور رہتا تھا جس کے ہاتھوں خلقِ خدا سخت مصیبت میں تھی۔

کسی شہر میں رہتا تھا ایک چور
نہایت شریر اور بہت سینہ زور

شب و روز مصروفِ ظلم و فساد
اسے کچھ بدی کے سوا تھا نہ یاد

نہ خویش و اقارب کی پروا اُسے
نہ ہمسائے سے ربط اصلا اسے

نہ بڈھے پہ رحم اور نہ بچے سے پیار
ہر اک کے لیے تھا شقاوت کا وار

وہ بستی کے حق میں تھا گویا وبال
کسی کا نہ محفوظ تھا جان و مال

کسی کو لگایا تھا سینے کا زخم
کسی کو لگایا دفینے کا زخم

ادھر ایک کی لوٹ لی آبرو
بہایا ادھر دوسرے کا لہو

مچایا تھا ہر سمت اس نے اندھیر
لیا تھا غریبوں کو آفت نے گھیر

ہزاروں لبوں پر تھی آہ و فغاں
ہزاروں زبانوں پہ بس "الاماں"

ضعیفوں کی تھی ہر گھڑی یہ دعا
خدایا اس آفت سے ہم کو چھڑا

اسی شہر میں ایک درویش بھی تھا جس کی ذات خلقِ خدا کے لیے باعثِ رحمت تھی۔

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی دیر | مچا ہو زمانے میں کیسا اندھیر
اسی شہر میں ایک درویش تھا | جسے مانتے تھے سبھی اولیا
تواضع کے باعث جوانی میں پیر | ضعیف اور محتاج کا دستگیر
رہِ حق پہ دن رات چلنا اِسے | محبت کے سانچے میں ڈھلنا اسے
اسے خدمتِ خلق سے کام تھا | یہی اس کا چین اور آرام تھا
ضعیفوں کی فکر اور یتیموں کا غم | کئے رکھتے تھے اس کی گردن کو خم
ہوا نیک جو اس کے پاس آگیا | کہ پائی تھی اس نے نظر کیمیا،

اولیا مرد نے سوچا کہ چور کو نیکی کی ہدایت دینا حق ہمسایہ ادا کرنے کے برابر ہے

مچا شور جب چور کے جور کا | تو موقع تھا درویش کو غور کا
اگرچہ ہیں دونوں کی راہیں جدا | نہ راہیں فقط ہیں نگاہیں جدا
مسلّم مگر حقِ ہمسایہ ہے | کہ ہمسایہ بھائی کا ہم پایہ ہے
وہ بے شک سزاوار ہے قہر کا | مگر رہنے والا ہے اس شہر کا
اِسے راہِ حق پر لگانا ہے فرض | بھلائی کی جانب بلانا ہے فرض
چلیں درسِ عبرت پڑھائیں اسے | رہِ حق کے جلوے دکھائیں اسے

تلقین

غرض پڑھ کے اک دن نمازِ سحر
گیا مرد درویش موذی کے گھر
ابھی خوابِ خرگوش میں تھا یلید
کہ پہنچے سعادت لیے بایزید
بڑی منتوں سے جگایا اسے
محبت سے پھر یہ سنایا اسے
مرے دوست جینا ہے مانندِ خواب
کہ جاگے تو آگے ہے یوم حساب
بڑی سخت ہے پرسشِ داد گر
نہیں جس کی سختی سے کوئی مفر
ستاتے ہو تم آدمی کو سدا
نکلتی ہے ہر قلب سے بددُعا
ستم گر مگر یہ بھی ہے واقعہ
کہ ہے دیکھتا آدمی کا خُدا

کسی بات پر اُس کو غصّہ نہ آئے
خدا کی پکڑ سے خُدا ہی بچائے!

ہماری طرح تم بھی انسان ہو
مگر فرق یہ ہے کہ نادان ہو
سنو جب خُدا تم سے ناراض ہے
کہ توبہ سے بہتر نہیں کوئی شئے
بُرائی سے فوراً ہی توبہ کرو
بدی کو اسی وقت سے چھوڑ دو
کرو عاقبت کی طرف اَب نگاہ
مسافر کو لازم ہے کچھ زادِ راہ

مگر چور نے کہا بدی کو چھوڑ تو دوں، مگر ایک مشکل ہے جو توبہ کرنے نہیں دیتی

سُنی چور نے یہ نصیحت تمام
کہا پھر ادب سے کہ اے نیک نام
بدوں کو ہے نیکی کی رغبت درست
مگر چاہیئے سب کی نیت درست
بدی کو تو میں آج ہی چھوڑ دوں
بُرائی کی یہ زندگی چھوڑ دوں
مگر کس کو ہوگا یہاں اعتبار
کہ کی چور نے بندگی اختیار
کہیں گے کہ اِس میں بھی ہے کوئی چال
بُرے سے بُرائی کا چھٹنا محال
سمجھتے رہیں گے مجھے سب بُرا
جو یوں ہو تو پھر توبہ کا لطف کیا!

اولیاء مرد نے کہا آؤ دیس چھوڑ کر کہیں پردیس میں جا بسیں

کہا مردِ درویش نے اے پسر
مبارک ہے نیکی کی خواہش، مگر
وطن میں جو نیکی کی رغبت نہ ہو
تو نیکی کی خاطر وطن چھوڑ دو
چلو اب کسی دُور تر دیس میں
ہزاروں کرشمے ہیں پردیس میں
نیا ہی جہاں سارا ماحول ہو
نہ شیطان ہو اور نہ لاحول ہو
ملے گی وہاں زندگانی نئی
دِل، زندہ کو اِک جوانی نئی

چنانچہ چور اور درویش دونوں ایک نئے دیس میں جا پہنچے

غرض رہنمائی میں درویش کی
نئے دیس کی چور نے راہ لی
نئے دیس کا کیجئے کیا بیاں
برستی تھی خالق کی رحمت یہاں
شہنشہ کے الطاف سے یہ زمیں
بنی تھی سراپا بہشت بریں
یہاں نعمتوں کی یہ بہتات تھی
یہاں کی ہر اک چیز سوغات تھی
زمیں خوش رِگل و آسماں خوبرو
رگِ سنگ میں زندگی کا لہو
ہر اک سمت باغ اور شجر باثمر
ہر اک سو چمن اور پھولوں کے گھر
بیاباں میں چاندی کی نہریں رواں
خیاباں میں بلّور کی تِتلیاں

درختوں سے جنگل پھلوں سے درخت
بھرے اور لدے تھے صراحی بدست
گھنے سایوں میں رقص کرتے تھے مور
ہری گھاس میں مست چرتے تھے ڈھور
ہر اِک چہرے پر تھا تسلی کا نور
زن و مرد جیسے چہکتے طیور
نہ محرومیاں اور نہ بیماریاں
گھروں میں مسرت کی کلکاریاں
کئی بے ہنر اور کئی کارواں
مگر سب کے رُخ سے فراغت عیاں
جواں سرو قد اور فولاد تن
کئی کوہ پیما، کئی غوطہ زن
بڑھاپے پہ پیرانہ سالی کا نور
دلِ مطمئن اور طبعِ غیور
تجارت ہر اک آرزو کی کفیل
زراعت ہر اک بہتری کی دلیل

درِ فیض وا اور درِ حرص بند
وطن دوست اہلِ وطن درد مند

دِل علم شاد و ہنر سرخرو
نجیبوں کی سرکار کو جستجو

قلم کار آزادہ و راست باز
خرد مند تحسین سے بے نیاز

قوی بردبار اور ضعیفوں میں صبر
کسی کو کسی پر نہ یارائے جبر

بھلوں کو نہ کچھ خوف حکام سے
گزرتی تھی نیکوں کی آرام سے

ہر اِک طرح کارِ حکومت درست
حکومت شریف اور سیاست درست

ہوا معتدل اور فضا دِل پسند
کسی کو کسی سے نہ کوئی گزند

چور اور درویش نے اِس جنت نظیر سرزمین کی خوش حالی کا
باعث پوچھا، معلوم ہوا یہ خوشیاں اِس دیس کے راجہ کے دم قدم سے ہیں

نئے آنے والوں نے باصد ادب
جو پوچھا کہ اِن نعمتوں کا سبب؟
کہ دمہ تھے اس دیس کے یک زباں
ہمارے وطن کی یہ سب خوبیاں
ہمارے مہاراجہ کے دم سے ہیں
نہ خاکِ وطن سے نہ کچھ ہم سے ہیں
انہیں کی بدولت انہیں کے طفیل
نہیں ہے کسی دل پہ کلفت کا مَیل
وہ جائیں تو ہر وقت آتے ہیں یاد
جو آئیں تو کہتے ہیں سب زندہ باد۔

جوڑا اور درویش اُسی جگہ مقیم ہو گئے

جو پایا زمیں پہ بہشت بریں
تو دونوں ہوئے اس وطن کے مکیں
ہے انساں کو آرام مدِّنظر
کہاں کا مقام اور کہاں کا سفر

مگر افسوس چند ہی روز میں نیک راجہ کا انتقال ہو گیا

کسی کو نہیں ہے جہاں میں بقا
اِسی فیصلے پر ہے راضی خدا
ہوا نیک دل راجہ کا انتقال
زمانے میں نیکی کو آیا زوال
نحوست کی کالی گھٹا چھا گئی
رعایا کی خوشیوں کو موت آ گئی

اِس ملک کا پُرانا دستور تھا کہ وہاں خلیل خاں فاختہ اُڑایا کرتے تھے

ریاست میں تھے ایک مرد جلیل،
لقب خاندانی تھا جن کا خلیل
وہاں کا پُرانا یہ دستور تھا
اڑاتے تھے وہ آن کر فاختہ
کسی سر پہ جب بیٹھ جاتی تھی وہ
اسے تاج فوراً دلاتی تھی وہ
وہ بنتا تھا اس ملک کا حکمراں
قدم چوم لیتے تھے خورد و کلاں

اِس انوکھے دستور کے مطابق نئے راجہ کا انتخاب عمل میں آیا

منادی ہر اک سمت دوڑا شتاب
کہ کل ہے نئے راجہ کا انتخاب
غرض دیس کے سارے چھوٹے بڑے

سحر گاہ میدان میں آ گئے

اڑی خاں کے ہاتھ سے فاختہ

لیا سارے میدان کا جائزہ

کھڑے تھے سبھی سانس روکے ہوئے

خموشی سے تقدیر کے سامنے

یکایک پلٹ کر جھکی فاختہ

کھڑے تھے جہاں چور اور پارسا

وہ جا بیٹھی پھر چور کے سر پہ یوں

کھنچی آئے جیسے بزور فسوں

ہر طرف سے مبارک باد کا ایسا شور اُٹھا کہ چور بھی حیران رہ گیا

مبارک! مبارک! کا اُٹھا یہ شور

کہ حیران خود رہ گیا اِس پہ چور!!

ہزاروں عمامے کئی ٹوپیاں

گریں اُس کے قدموں پہ یوں ناگہاں

جنہیں وہ سمجھتا تھا مرد کبیر

یکایک نظر آئے ادنیٰ فقیر
غرض مند سب پیٹ پکڑے ہوئے
کھڑے تھے کہ وہ اِک نظر دیکھ لے

مگر سچا درویش ایسے وقت میں بھی اپنا فرض نہ بھولا

مگر رہنما مردِ درویش نے

کہا اس گھڑی میں بھی یہ چور سے
میاں اُٹھو اور سجدے میں جا گرو
نہ بھولو کبھی اپنی اوقات کو
ہوا ہے خُدا تم پہ یوں مہرباں
کہ حیران ہیں اس پہ کرو بیاں
عطا کی گئی ہے حکومت تمہیں
ہر اک کام کرنے کی طاقت تمہیں
کسی طرح تم جن سے بہتر نہیں
کسی طور تم جن کے ہمسر نہیں

بنایا ہے ان کو تمہارا غلام

وہ جانے اور اس شاہ کا انتظام!

تمہیں اس نے بخشا ہے یہ اختیار

کہ بس میں تمہارے ہیں اب نور ونار

جو چاہو تو دنیا کو روشن کرو

جو چاہو تو ہر چیز کو پھونک دو

وہ شئے جس کی بھوکی رہی رہزنی

تمہیں آج تقدیر نے بخش دی

امیروں کا مال اور غریبوں کی جان

تمہارے تصرف میں ہیں بے امان

مناسب یہی ہے کہ اب عمر بھر

کرو شکرِ ایزد بنو نیک تر

ہماری تمہاری ہیں راہیں جدا

رہو تم یہاں اب بفضل خُدا

ہمیں اب ستاتی ہے یادِ وطن

کہ ہے دل میں حبِ وطن موجزن

یہ کہہ کر بضد مردِ درویش نے

اجازت طلب کی نئے راجہ سے

چند برس گزرے درویش کو خیال آیا کہ دیکھیں چوراجہ اور اس کی پرجا کس حال میں ہیں آکر کیا دیکھتا ہے کہ اس جنتِ ارضی میں ہر جگہ خاک اُڑ رہی ہے۔

جہاں چین پایا ہو انسان نے
لگاؤ ہو جاتا ہے اِس دیس سے
کیا مردِ درویش نے بھی یہ خیال
کہ دیکھیں کہ کیسا ہے اب انکا حال
حوالے کیا جن کو تقدیر نے
زمانے کے مانے ہوئے چور کے

گیا تو وہاں کا عجب طور تھا
زمیں اور تھی آسماں اور تھا
نہ اگلی سی خوشیاں نہ پہلا سا رنگ
بنی تھی زمیں ایک میدانِ جنگ
وہی سختیاں اور لاچاریاں
وہی دل کو کینے کی بیماریاں

وہی دانت نفرت نکالے ہوئے
ہلاکت کے بھالے سنبھالے ہوئے
دھواں چھا رہا تھا اور اڑتی تھی خاک
مناظر ہر اک سمت اندوہناک
زن و مرد دست و گریباں بہم
ہر اک سمت غوغائے رنج و الم
کسی کو کسی سے نہ الفت نہ پیار
نہ غم خوار اک، غم زدہ صد ہزار
مرض روز افزوں دوا نا پدید
طبیبوں کی کثرت شفا نا پدید
ہر اک جورِ ہمسایہ کا نوحہ خواں
ہر اک بے یقین اور ہر اک بدگماں
جہاں کل تھے بنگلے سوا لاکھ کے
وہاں آج کچھ ڈھیر تھے خاک کے
کبھی لہلہاتی تھیں جو کھیتیاں
وہاں آگ تھی اُٹھ رہا تھا دھواں

جہاں پہلے سونا اُگلتے تھے کھیت
وہاں اُڑ کے پہنچی تھی صحرا کی ریت
نہ سبزے کا باقی زمیں پر نشاں
سروں پر نہ وہ مہرباں آسماں
نہ کھیتی میں دانہ نہ نہروں میں آب
ہمیشہ سوا نیزے پر آفتاب
نہ بارانِ رحمت نہ ٹھنڈی ہوا
مگر مستقل خطرہ سیلاب کا
پھلوں میں نہ رس اور نہ پھولوں میں باس
گل و بلبل و باغباں سب اُداس
ہنرمند بے کار اور شرمسار
ہنر کا انہیں نام لینے سے عار
دلیر اور گستاخ یوں بے ہنر
جہالت بھی کوئی ہو جیسے ہنر
یہی علم والوں سے تھا بس سوال
کہو تو بھلا تم میں ہے کیا کمال

جہالت ہے جب علم سے سربلند
جہالت پہ کوئی نہیں راہ بند
یہی ہے زمانے کا جب قاعدہ
تو کالج کی بکواس سے فائدہ؟
اگر تھا کوئی فہم سے بہرہ ور
چھپاتا تھا یاروں سے اپنا ہنر
مبادا وہ اِس شئے پہ ناراض ہوں
اسے ہم پہ کوئی فضیلت ہے کیوں!
یہ کہتے تھے ذی علم سے برملا
ہمارا نہیں علم سے واسطہ
ہمیں تم اِسی حال پر چھوڑ دو
نہیں تو کہیں اور جاکر رہو
خرد مند و دانش ورو باکمال
سمجھتے تھے اپنا پنپنا محال
تو بنتے تھے یوں جان کر بے بصر
کہ جیسے ہوں ہر چیز سے بے خبر

جہالت کے خاموش خدمت گزار

تحمّل کے خوگر اطاعت شعار

قلم کار عیّار اور بے اصول،

سمجھ کر صداقت کو مدِّ فضول

شب و روز کرتے تھے کاغذ سیاہ

کہ ہوں اور گمراہ گم کردہ راہ

ہمیشہ قوی کے حلیف و مُعین

غریب اور کمزور کے نکتہ چین

بدی کے زبردست نقّارچی

نہ نیکی کا تھا حال پُرساں کوئی

زمانے میں ہیں جس قدر نیکیاں

جنہیں مانتے ہیں سبھی بے گماں

یہاں سارے لوگ ان سے بیزار تھے

انہیں ماننے کو نہ تیار تھے

صداقت کو کہتے تھے وہ ابلہی
شہادت کو کہتے تھے وہ خودکشی
لگاتے تھے اخلاص پر قہقہے
یہ کوشش تھی مخلص نہ زندہ رہے
کیا تھا شرافت کو اتنا ذلیل
نہ تھی اس کے بچنے کی کوئی سبیل
تحمّل کو کہتے تھے سب بزدلی
تملّق کو کہتے تھے سب پالسی
فقط کامیابی ہی معیار تھا
بنی تھی یہی دیس کا دیوتا
نظر آئے سونے کی جگ مگ جہاں
اگرچہ وہ ہو بیسوا کا مکاں
اسی سمت سجدے اسی کا طواف
چمک کے پجاری کو ہر شئے معاف

نظر آئے جس ہاتھ میں اقتدار
اسے چوم لینا تھا سب کا شعار

جو اس سے بھی مسند کوئی چھین لے
لپکتے تھے سب دُم ہلاتے ہوئے
نہ اِس سے محبت نہ اس سے وفا
کہ یا بے حیائی ' تِرا آسرا

نظر آتے تھے قوم میں جو بزرگ
حقیقت میں ان میں تھا ایک ایک گرگ
وطن کے ہر اک عہدے پر ان کا دانت
اگرچہ نہ تھی پیٹ میں کوئی آنت
قیادت سے ان کی جواں نا امید
زمین نا امید، آسماں نا اُمید
کہیں سر اُٹھاتے بھی تھے نوجواں
انہیں گھیر لیتی تھیں مایوسیاں
کتابوں میں پڑھتے تھے جو بارہا
زمانہ تھا اس کے اُلٹ جا رہا،
وہ ہوتے تھے یہ دیکھ کر بے ادب
غرض کے ہیں بندے یہاں سب کے سب

نہ روشن دماغ اور نہ روشن ضمیر
جواں حرص میں، عزم راسخ میں پیر
مجالس میں اُن کا عجب تھا سماں
دکھاتے تھے لوگوں کو زورِ بیاں
مگر چونکہ یہ جانتے تھے سبھی،
یہاں سب دلِ اخلاص سے ہیں تہی
کسی کو کسی کا نہ تھا اعتبار
تقاریر کا مدعا اشتہار
ہر اِک شعبۂ زندگی کا نظام
شکنجے میں جکڑا ہوا تھا تمام
کسی کو نہ تھی سانس لینے کی ڈھیل
کیا تھا یہ پابندیوں نے ذلیل
تجارت پہ چھائے ہوئے راہزن
کہ ہتھیا لیں مُردوں سے اُنکا کفن
پرائی دوکانوں میں چوری کا مال
جو پوچھو کسی سے تو ہر شئے کا کال

زراعت ادھر باعثِ ننگ تھی
کسانوں پہ سطحِ زمیں تنگ تھی
ہری کھیتیاں ہو چکی تھیں اُجاڑ
نِگل ہی چکی تھی جنہیں ان کی باڑ
غریبوں نے ڈالے تھے کندھوں پہ ہل
یہ سُن کر کہ "میری زمیں سے نکل"
خدا کی زمیں عام تھی بن جُتی
مگر جوتنے کی اجازت نہ تھی
اگر کاشت کرتے تھے ڈاکو بہت
تو بوتے تھے اُس میں تماکو بہت
ملے تاکہ ان کو بہت سیم وزر
مرے بھوک سے خواہ نوعِ بشر

غریبوں کی قسمت تھی جن کے سپرد
بڑھی تھی ان افراد کی دست بُرد
کسی کی مصیبت کا تھا کچھ نہ خیال
بہر طور مدِ نظر جمعِ مال

تصرف میں تھے جن کے موت و حیات
یہ تھی ان کے کردار کی کائنات
نظر بند رکھتے تھے اُلّو کی طرح
سرکتے تھے بھاڑے کے ٹٹّو کی طرح

قوی جن سے تھا پنجۂ سلطنت
سروں پر نہ تھی ان غریبوں کے چھت
بھٹکتے تھے بے خانماں بے شمار
کہ آباد کاری تھا اک خار زار
بڑھے جا رہے تھے غریبی پہ ٹیکس
ستم دیدوں کی بدنصیبی پہ ٹیکس
دوا سے غذا پا رہے تھے طبیب
مرض سے گھلے جا رہے تھے غریب

کسی نے شکایت کو کھولی زباں
تو اس پر تھا فرمودۂ حکمراں۔

شکایت کی کوئی نہ پروا کرو
جو کرتا ہے اس کی زباں کھینچ لو
کہیں سولیاں تھیں کہیں پھانسیاں
حکومت کی عظمت کے تھے یہ نشاں

درویش ایسے ماحول کو دیکھ کر تھرا اٹھا اور فوراً راجہ کے دربار میں پہنچا

جو دیکھا بدی کا نشاں ایک ایک
تو کانپ اُٹھا ماحول سے مردِ نیک
ہوا اِس نظارے سے ایسا قلق
طبیعت بجھی ہوگیا رنگ فق
دِل غم زدہ ہوگیا محوِ یاس
گیا کانپتا چور راجہ کے پاس

راجہ کے دربار کا نقشہ عجیب وغریب تھا

وہاں دیکھے جتنے امیر و وزیر
کوئی چور ڈاکو کوئی رسّہ گیر
خیانت ہیں کوئی سزا یافتہ
کوئی بے حیا آبرو باختہ
کسی طرّے پر تھا بدی کا جنوں
کسی آستیں سے ٹپکتا تھا خوں
کھڑا تھا وہ یوں ایسے دربار میں
کہ جیسے ہو قلاّش بازار میں
دبائے ہوئے سینے میں آہِ سرد
تھکن پاؤں میں اور چہرے پہ گرد

درویش اور چور کی گفتگو اور حکایت کا خاتمہ

پڑی جونہی راجہ کی اس پہ نظر
گیا پاس درویش کے دوڑ کر
کہا مرد درویش نے با ملال
"بُرے سے بُرائی کا چھٹنا محال"!
مگر چور راجہ نے با مکر و فن
وہیں بند کی اس پہ راہِ سخن
کہا سُن مرے ہادیٔ راہِ حق
بہت بے محل ہے یہ تیرا قلق
اڑی تھی بتا جس گھڑی فاختہ
کھڑا تو مرے پاس تھا یا نہ تھا
وہ کیوں آن بیٹھی تجھے چھوڑ کر
مرے سر پہ منہ خلق سے موڑ کر
ترے سر پہ آ کے وہ بیٹھی نہ کیوں
کہ اِس دیس کے لوگ خوشحال ہوں

یہی ہے مرے شیخ راہِ صواب
کہ قسمت پہ راضی ہوں اب شیخ وشاب
کیا ہے یہ تقدیر نے فیصلہ
کہ اک چور حاکم ہو اس دیس کا
تمہیں گر نہیں فیصلہ یہ پسند
تو پھینکو سرِ عرش کوئی کمند
سنی شیخ نے چور کی گفتگو
تو نکلا وہ اس دیس سے مثلِ بو
حکایت زمانے میں بس رہ گئی
کسی چور اور مردِ درویش کی

مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

(الیکشن سے پہلے کی ایک نظم)

مرے مال کا بھاؤ چڑھتا ہی جائے میرا دبدبہ ساری منڈی پہ چھائے
کوئی تلملائے، کوئی بلبلائے نصیبہ میرا مجھ کو قاروں بنائے

مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

مرے کارخانے کا ہو بول بالا! مری روشنی سے ہو گھر گھر اجالا
مجھے ایسی توفیق دے حق تعالیٰ مرا حکم ہو تو لگے اس پہ تالا

ہزاروں لبوں سے نکلتی ہو ہائے

مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

کروں اس طرح گرم بازارِ رشوت معزز زمانے میں ہو کارِ رشوت
نہ کہلائے کوئی گنہگارِ رشوت ہر اک آن اونچا ہو معیارِ رشوت

کوئی معترض ہو تو وہ منہ کی کھائے

مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

نہ بدلے معیشت کا ڈھانچہ خدایا مکانوں کا گھٹنے نہ پائے کرایہ

کسی طرح جو کچھ ہے ہم نے کمایا
کبھی ہونے پائے نہ اس کا صفایا

وہ پلونا ہی کھائے جو وادا کمائے
مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

یہ سچ ہے کہ آج اُسکے جھنڈے گرے ہیں
الیکشن میں ہم ہار کر گر پڑے ہیں
ہمارے بھی لیکن ارادے کڑے ہیں
ہمارے بھی سینوں میں ارماں بڑے ہیں

یہ قسمت کبھی ہم پہ بھی مسکرائے
مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

نئے گل کھلائے گی سرمایہ داری
حکومت کے ہاتھی پہ ہو گی سواری
ابھی سر اٹھائے گی طاقت ہماری
پھنسے گی بُری طرح جنتا بچاری

کہ جس نے کئی بار دھوکے ہیں کھائے
مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

نہیں بے وجہ باغ میں خندۂ گل
نہیں بے سبب یہ صراحی کی قلقل
چھلکتے نہیں بے محل ساغرِ مُل !!
عجب کیف میں راگ کا ہے تسلسل

پرانے شکاری نئے جال لائے
مگر شرط یہ ہے کہ بھٹو نہ آئے

بھٹو صاحب کی راہ روکنے کے لئے جن حلقوں میں بہت اضطراب پایا جاتا تھا ان کی نشاندہی ان اشعار میں کی گئی ہے۔ میں نے چیئرمین بھٹو کے نام اسی مضمون کا ایک خط روزنامہ "مساوات" میں بھی چھپوا دیا تھا۔

ٹیلی ویژن

خوش آمدید ٹیلی ویژن

بہت فائدے ٹیلی ویژن سے پائے　　　خدا قوم کو چشم بد سے بچائے
رہیں خوش سدا جو یہاں اسکو لائے　　　خدا ان کو جنت کے میوے چکھائے

میرے گھر میں یہ نعمت آئے نہ آئے

کسی پارٹی میں گئی ہیں جو بیگم　　　ادھر گھر میں صاحب ہیں باچشم پرنم
بھلانے کو اس وقت تنہائی کا غم　　　ہیں لیٹے ہوئے ٹیلی ویژن لگائے

میرے گھر میں یہ نعمت آئے نہ آئے

نہ جانے الیکشن کا کیا ہو نتیجہ !!　　　کہ کام آیا اس میں نہ بھائی بھتیجا
مدد کے لئے آیا سالا نہ جیجا　　　یہی ہے جو اس وقت سب غم بھلائے

میرے گھر میں یہ نعمت آئے نہ آئے

بہت مائلِ بُت پرستی ہیں آنکھیں　　　برستا ہے مینہ تو برستی ہیں آنکھیں

جنہیں دیکھنے کو ترستی ہیں آنکھیں، وہ قسمت سے اب ٹیلی ویژن پہ آئے
میرے گھر میں یہ نعمت آئے نہ آئے

بلائے گئے ہم نہ اس پارٹی میں !! رہے سارے ارمان بس جی ہی جی میں
رہا لطف باقی نہ جب زندگی میں تو درشن ہوئے گھر میں بیٹھے بٹھائے
میرے گھر میں یہ نعمت آئے نہ آئے

آثارِ قیامت

زمین مرکزِ ثقل سے ڈگمگائی　　فلک نے ستاروں کی مشعل بجھائی
سمندر نے اِک آگ ہر سُو لگائی　　ہوا کو گلے گھونٹنے کی سمائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی!

امیروں نے اپنی خوشی پیٹ کاٹا　　کہ پورا ہو اس سے غریبوں کا گھاٹا
ملے سب کو کپڑا ملے سب کو آٹا　　سزاوارِ برکت ہو سب کی کمائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی

غریبوں کا بدلا کچھ ایسا مقدر　　چھڑکنے لگے جان اک دوسرے پر
ہوئے ایسے باہم مددگار دیادر!　　زمانے میں ہوں جیسے ماں جائے بھائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی!

لگے دوڑنے سن کے حالت وطن کی　　عمل کی طرف خانقاہوں کے صوفی
وضو کرتے کرتے اگر مولوی جی　　لگے مانگنے حق سے دل کی صفائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی

دیا چھوڑ نفرت سے چندے کا پھندا　　الاٹی پلاٹی کا ناپاک دھندہ
بنا یوں خدا کا طلب گار بندہ　　مسلماں نے پتے سے مسجد بنائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی

بہشت بریں کے نمونے بنے گھر | کہیں رنج دیکھا نہ اندر نہ باہر
بہو ساس کو دیکھ کر مسکرائی ! | ملے خندہ رُو ہو کے بیوی سے شوہر

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی

ہوئے بند رشوت کے سب کارخانے | دیانت سے گونج اٹھے پٹوار خانے
ہوئے ایسے خاموش نقار خانے | کہ طوطی نے آواز اپنی سنائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی

حکومت سے اہل سیاست ہوئے خوش | سیاست سے اہل صحافت ہوئے خوش
رقیبوں سے اہل محبت ہوئے خوش | ہوئی بند دو سوکنوں میں لڑائی

تو سمجھو قیامت اب آئی، کہ آئی

مرا ذکر آیا کتابوں میں اکثر | مرے شعر پڑھنے لگے لوگ اکبرؔ
کسی نے جو لاہور سے ریڈیو پر | کسی روز یہ نظم گا کر سنائی

تو سمجھو قیامت اب آئی کہ آئی

بڑی بڑی کتابوں میں "قیامت کے آثار" کی نشاندھی کی گئی ہے اس نظم میں جو آثارِ قیامت گنوائے گئے ہیں، ان کے متعلق بس یہی کافی ہے کہ شاعر کو ان کی صداقت پر پورا پورا یقین ہے، اگر ان میں سے ایک نشان بھی ظاہر ہو گیا تو قیامت آ کر رہے گی ۔

ہٹلی وثیرن کا پردہ

تصویریں بُتاں چند حسینوں کے خطوط
ایک غالب تھے کہ جن کا یہ اثاثہ نکلا

اس سے کم تر ہی ملا دہر سے میراجی کو
جن کی تقدیر میں تصویر کا پُرزہ نکلا

اپنی قسمت کا کروں کس سے گِلا میں اکبرؔ
اس قدر بھی نہ جہاں میں میرا حصّہ نکلا

جتنے بھی خط تھے میرے پاس میرے لکھے ہوئے
اپنی تقدیر میں ایک خط بھی نہ اُن کا نکلا

ان کی تصویر بنائی تھی جسے میرے لئے
قہر ہے ایسے مصوّر کا جنازہ نکلا

دل نے چاہا کہ کہیں دیکھئے ان کی مورت
ان حسینوں میں مگر کوئی نہ اُن سا نکلا

تمکنت ان کی کسی حسن میں پائی نہ گئی!
کوئی بانکا کوئی ترچھا کوئی چھیلا نکلا

عالم یاس میں میں پھر دل پہ نظر جو ڈالی
جگمگاتا ہوا اک نقش ابھرتا نکلا!!

ان کی تصویر نظر آئی تھر کتی، گاتی
میرا سینہ بھی ٹیلی ویژن کا پردہ نکلا

دو حقیقتیں

کہنے لگے یہ کیا کبھی اڑتے ہو فضا میں
بازو نہیں جس طرح مگر بال ہما ہے
ایسے نظر آتے ہے کبھی خاک نشین ہو
اک جسم ہے جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پا ہے
ایسا کبھی لگتا ہے کہ بے نور ہیں آنکھیں
اور ایسا کبھی پاؤں کے تلووں میں ضیا ہے
میں نے یہ کہا اس میں کوئی راز نہیں ہے
جس پر کہ کسی شخص کو حیرت ہو کہ کیا ہے
اڑتا ہوں فضا میں تو یہ تصویر ہے میری
نقاش نے ایسے ہی میرا نقش لکھا ہے
اڑتا ہوں تو ہو جاتا ہوں ہم دوشِ ثریا
میرے پرِ پرواز کو یہ حکم ملا ہے !!

جب دیکھتے ہو تم مجھے مٹی میں پڑا ہوں
یہ مرتبہ انباتے زمانہ نے دیا ہے
اسمیں بھی حقیقت ہے تو ہے یہ بھی حقیقت
تقدیر نے حصہ مجھے دونوں سے دیا ہے

اوتھان کی بجائے "تھانہ"

کہتے ہیں چور ڈانٹ کر یہ کوتوال سے
ایسا نہ چاہیئے ہمیں ایسا نہ چاہیئے
جنرل اسمبلی کو یہ سمجھاتے جا کے کون
اس مرحلے پہ جرأتِ رندانہ چاہیئے
جو مانتے نہیں کسی معقول بات کو
"ادتھان کی بجائے انہیں تھانہ چاہیئے

ادتھان :- سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ

تعلقات

آدمی اور آدمی میں جو تعلق ہے حضور
سب سے میٹھی چیز ہے دھرتی پہ اور آکاش میں
پر تعلق قدرتِ حق سے نہ قائم ہو سکا!!
لاکھ کوشش سے بھی اک اندھے میں اور نقاش میں
ایک موسیقار کے دل کے لئے تسکین نہیں
جیسے اک بہرے کی فرمائی ہوتی "شاباش" میں

ش

چوہا

ایک چوہے نے یہ اپنی ماں سے جنگل میں کہا
سنتے ہیں جنگل کا ہے اک بادشاہ ، دیکھا نہیں

ایک دن گر دیکھ پاؤں تو یہ اطمینان ہو
وہ ہمارا بادشاہ کیسا ہے اور کیسا نہیں

دفعتہً جنگل کے سارے جانور یوں کانپ اُٹھے
جیسے ان کے پاؤں کے نیچے زمین اصلا نہیں

اور اک گوشے سے نکلا شیر ڈکراتا ہوا
ایک تھا اس کے لئے کچھ سامنے تنہا یا نہیں

اس کی ہیبت اس کی عظمت اُسکا رعب اُسکا جلال
وہ ہی وہ جیسے وہاں جنگل نہیں دریا نہیں

"شیر!" ماں کے منہ سے نکلا اور بل میں گھس گئی
مڑکے بیٹے سے کہا، دیکھا ہے یا دیکھا نہیں

کانپتا جاتا تھا اور کہتا تھا ماں کے کان میں
ایسا نظارہ کبھی پہلے نظر آیا نہیں

یہ تو اچھی طرح سے دیکھا نہیں کیسا ہے وہ
ہو سکا ہے اس قدر معلوم میں ویسا نہیں

شیر ہو شیر ببر ہو بادشاہ ہو یا فقیر
کچھ بھی ہو لیکن ہماری طرح وہ چوہا نہیں

حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم و مغفور کا مشہور قطعہ ہے جس کا آخری مصرع یہ ہے۔
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست
مری اس نظم کو "فکرِ ہر کس" کی ذیل میں شمار کیجیے۔

تیتری

آگے آگے جا رہا تھا کوئی لے کر پنجرہ … پیچھے پیچھے دوڑتا تھا ایک تیتر بے قرار
رہ گئی اکبرؔ نہ کوئی میری حیرانی کی حد … دوڑتا پایا شکاری کی طرف جس دم شکار

سامنے کیا دیکھتا ہوں پنجرے میں تیتری … جھانکتی ہے تیلیوں کی اوٹ سے دیوانہ وار
برقِ خرمن بن گئی ہے تیتری کی تاک جھانک … جس سے وہ پردار مجنوں جل رہا ہے شعلہ وار

جی میں آیا بڑھ کے سینے سے لگا لوں اسکو میں … کیونکہ آخر ہے وہ میری ہی طرح اک دلِ فگار
ایک سی پڑتی ہے ان پر ایک سے حالات میں … منزلِ ہستی میں جو دو شخص کہلاتے ہیں یار

اک کشش محسوس کی ہے میں نے اسکی ذات میں … میں ہوں اس کا اور وہ جیسے ہے میرا یارِ غار
سوچتا ہوں اسکا باعث بھی تو ہے اک تیتری … پنجرے سے اسقدر جو ہو گیا ہے مجھ کو پیار

پنجرے کی تیلیوں کے جلوہ کا مارا ہوا! … کھا رہا ہوں نت نئے صیاد کے تیروں کی مار

میں کہ تھا آزاد مثلِ طائرانِ گلستان   میں کہ تھی میری طبیعت مشتعل سیماب وار

میں کہ تھی میری زباں شورِ قیامت کی نقیب   میں کہ تھا میرا تکلّم ایک تیغِ آبدار !!!
میں کہ میری آرزو کی تاخت تا حدِّ نظر   میں کہ میری جستجو کا بحر نا پیدا کنار

میں کہ صرصر میری ہمت کیسے موجِ نسیم   میں کہ صحرا میرے توسن کے لئے مشتِ غبار
میں کہ ناکافی تھا مجھ کو حاصلِ کشتِ نجوم   میں کہ میرا سینہ گنجِ زیست کا سرمایہ دار

آج میں ہوں اور ہے کُنجِ قفس میری بساط   یا قفس کی تیلیاں ہیں اور ہے ان کا شمار
دل کے سارے ولولے سینے کے سارے حوصلے   ہو چکے اک تیری کی آرزوں پر نثار

قسائی

میں کر رہا تھا بلبلِ رنگیں نوا کی مدح
گلشن ہے جسکے فیضِ ترنم سے نغمہ زار

جسکے نفس سے چہرۂ گل پر نمودِ حسن
اور جسکے دم سے صحنِ چمن درخورِ بہار

آغوش وا ہے جس کے لئے برگ برگ کی
اور شاخ شاخ جس کی محبت میں بیقرار

لالے کے دل میں جس سے ملاقات کی تڑپ
نرگس کی آنکھ جس کے لئے محوِ انتظار

ہے ذرہ ذرہ جس کے نمِ دیدہ سے خنک
از فرشِ سبزہ تا بہ سرِ سروِ جوئبار

بیٹھا ہوا تھا ایک قسائی بھی باغ میں
تھی مدحِ عندلیب سماعت پہ جس کی بار

کہنے لگا نہ گوشت ہو جس میں چھٹانک بھر
تعریف اس پرند کی ہے سخت ناگوار

اور سچ کہوں تو آج کھلا ہے یہ مجھ پہ راز
کیوں شاعروں کو لوگ سمجھتے ہیں ہرزہ کار

حاجی اور پاجی

ایک حاجی نے کہا مکّے سے ہو آیا ہوں
چاہِ زم زم میں گناہوں کو ڈبو آیا ہوں
پوچھنے والے نے پوچھا کہ مدینے بھی گئے
نذرِ ایوانِ نبوت ہیں کوئی لے بھی گئے
اس پہ حاجی نے کہا اور تو کیا ہم سے ہُوا
یہی کافی ہے کہ اِک فرض ادا ہم سے ہُوا
اس پہ برجستہ دیا پوچھنے والے نے جواب
آپ کس حال میں کس زعم میں بیٹھے ہیں جناب
جس نے آدابِ نبوّت کو بھُلا رکھا ہے
ایسے پاجی کے لیے مکّے میں کیا رکھا ہے

کلہاڑا

مَیں نے اکبرؔ کہا یہ کیکر سے
جبکہ اس پر تھے چل رہے آرے
کیل کانٹے سے لیس تھا تو بھی
تو نے اپنی نہ کیوں حفاظت کی
چرتے چرتے دیا یہ اس نے جواب
شک تو اس میں نہیں ہے کچھ بھی جناب
کیل کانٹے سے لیس تھا میں بھی
اور جم کر رہا کھڑا میں بھی
جس نے لیکن مجھے پچھاڑا ہے
اس کے ہاتھوں میں اِک کلہاڑا ہے

قصیدے سے توبہ

اور اصناف سخن میں تو کچھ اچھا ہی رہا
مجھ کو لیکن نہ قصیدے نے کہیں کا رکھّا
اس کو ابنائے زمانہ نے کہا "ایک چغد"
جس کے سائے کو لکھا میں نے ہما کا سایہ
میں نے لقمان و فلاطون کا لکّھا ہمسر
اور وہ خود کو سمجھتا تھا گدھے کا بچّہ
اس کی تعریف میں اشعار نہ لوگوں نے سُنے
مری گفتار کا کچھ بھی نہ اثر اس پہ ہُوا
ہار کر میں نے قصیدے ہی سے توبہ کر لی
میرے اس فیصلے کی لاج رکھے میرا خدا

سیالکوٹ ــــ کوٹلی لوہاراں روڈ

کھروٹے کی اور کوٹلی کی سڑک　　　دھڑک میرے کمزور دل ہاں دھڑک

الٰہی میری ہڈی پسلی کی خیر

دھکا دھک دھکا دھک لگاتار دھک

میاں چلتے چلتے یہاں سانس روک

نہ بیچھے سرک اور نہ آنکھیں جھپک

سمجھ اپنے گھر بار کو خوش نصیب

پہنچ جائے تو گر کھروٹے تلک

سفر ایک دن ہو جو اس راہ میں

تو پھر آٹھ دن گھر کے اندر دبک

یہاں مار کھاتی ہے سرکاری جیپ

رئیسوں کی موٹر نہ کوئی ٹرک

کبھی دوپہر کو جو آتا ہوں میں　　　مجھے یاد آتی ہے ٹھنڈی+ سڑک

+ لاہور کی مال روڈ، جس پر مدتوں چلتا رہا۔

ایک مدت سے سیالکوٹ کوٹلی لوہاراں روڈ پر کھڑنجے کا فرش لگا تھا، جو بُری طرح ٹوٹ چکا تھا، جیپ میں اس سڑک پر سفر کرنے سے آدمی کا انجر پنجر ڈھیلا ہو جاتا تھا، میں نے کوٹلی کے بزرگوں کو اس طرف متوجہ کیا، انہوں نے صوفی عزیز احمد ممبر یونین کونسل کی وساطت سے ۲۰ ہزار روپے کی رقم سڑک کو پختہ کرنے کے لئے فراہم کر دی، مقامی یونین کونسلروں کے چیئرمین صاحب ماسٹر محمدؐ شفیع، چوہدری محمدؐ شفیع، چوہدری محمد سرور اور چوہدری محمد دین نے مزید امدادی رقوم کے علاوہ سروں پر مٹی اٹھا اٹھا کر سڑک پر ڈالی اور سڑک کا منصوبہ سید محمد قاسم رضوی ڈپٹی کمشنر کی زیرِ ہدایت شروع ہو کر خان طارق اسماعیل خان اور سید حسنات احمدؐ کے وقت میں پایۂ تکمیل تک پہنچا، کرنیل محمد اقبال اور میجر شریف احمد باجوہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر صاحبان بنیادی جمہوریت نیز چودھری ظفر احمد سیکرٹری ڈسٹرکٹ کونسل نے اس منصوبے میں مستعدی کی روح پھونکی، یہ نظم اس وقت کی یادگار ہے جب میں نے سید محمد قاسم رضوی صاحب کو سڑک کی حالت کی طرف متوجہ کیا تھا اور آپ اس کام میں حسبِ عادت یوں محو ہو گئے تھے جیسے ان کو اِس کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو۔

کورا جواب

رات دیکھا میں نے اے ہمراز معمولی سا خواب
میرے اکثر خواب معمولی سے ہوتے ہیں جناب

کشتِ ہستی میں جو میں بینگن ہوں گا جر مولی ہوں
خواب معمولی ہیں میرے کیونکہ میں معمولی ہوں

دیکھتا ہوں کوششیں اس عہد کے انسان کی
ہو گئی ہیں کامیاب اور دھوم ہے ہر سُو مچی

ہو گیا ہے اک ستارے کی طرف جاری سفر
گھورتے ہیں ہم خلاؤں میں کلیجہ تھام کر

حلقۂ شام و سحر سے دور ہو آتے ہیں لوگ
اک ہمیں مجبور ہیں آتے ہیں اور جاتے ہیں لوگ

نیلے پیلے سرخ سیارے سے اُڑتے ہیں جہاز
دیدنی ہے ہر گھڑی ہر لحظہ اُن کی تزک تاز

ہنس رہے ہیں اِک ستارہ مل گیا مثلِ زمین
اور سب قبضہ جمانے اُڑ کے جاتے ہیں وہیں

بن رہی ہیں اُس ستارے میں نئی آبادیاں
اور اُن آبادیوں میں ہیں بڑی آزادیاں

ہر طرح آزاد ہیں اس دیس کے آبادکار
رہ گئیں محرومیاں اس خاک پر بن کر غبار

اس نئے ماحول میں ہر چیز کی بہتات ہے
زندگی کا نور ہے اور عیش کی برسات ہے

اس زمین پر ہو گئی ایجاد کی جو انتہا
اُس زمیں. کی زندگی میں بن گئی ہے ابتدا
.
نعمتیں موجود ہیں محرومیاں کافور ہیں !
اِس جہاں کی سختیاں اُس سر زمیں سے دور ہیں

ایک سب کا عزم ہے اور ایک نصب العین ہے
ہر کوئی خوشحال ہے اور ہر کسی کو چین ہے

اس نئی دُنیا کے اندر جب نہیں کوئی کمی
آدمی کو آدمی سے کس طرح ہو برہمی
.
بند ہے اس دیس میں ہر ایسی شے کا داخلہ
جو بڑھائے آدمی کا آدمی سے فاصلہ

سن کے یہ باتیں میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں
ہم نئی دنیا کے امکانات سے محروم ہوں

مرے پہلو میں کھڑا تھا اک جوانِ خوبرو
اڑ کے جانے والا تھا اس سرزمین سے مثلِ بو

اس کا طیّارہ رواں ہونے کو تھا سوئے خلا
اور وہ جوشِ عمل میں تھا فضا کو گھورتا

مَیں نے کی عرض اے جوانِ خوش خرام و شاد کام
اے کہ پُر ہے کامرانی سے تری قسمت کا جام

اپنے طیارے میں کیا مجھ کو بٹھا سکتا ہے تو
اپنی دنیا میں مجھے بھی لیکے جا سکتا ہے تو

ہو سکے تو اُس جگہ مَیں بھی بناؤں آشیاں،
کیونکہ اب رہنے کے قابل ہی نہیں میرا جہاں

چپے چپے پر ہے بدامنی جہانِ تنگ میں
فرق کچھ باقی نہیں ہے امن میں اور جنگ میں

نوجوان نے میری باتوں کا دیا کورا جواب
جس کے صدمے نے پریشاں کر دیا جادوئے خواب

اس جگہ جانا ہے تو خود باندھئے رختِ سفر
کوئی تم کو لے نہ جائے گا وہاں سے آن کر

اِس سفر کے ساز و ساماں جس کی قدرت میں نہیں
اُس زمیں پر پاؤں رکھنا اُس کی قسمت میں نہیں

مفت مل جائیں گے میوے باغ میں گر جائیے
صرف اپنے آپ کو خود باغ تک پہنچائیے

یہ نہیں میراثِ آدم مفت مل جائے تمہیں
اور فرشتہ حکمتِ ربّی سے پہنچائے تمہیں

یہ وہ جنت ہے جو مل سکتی ہے کچھ کرنے کے بعد
یہ نہیں جنت کہ مل جاتی ہے جو مرنے کے بعد

کوڑی ٹا

کچھ لوگ کرتے رہتے ہیں آرام چپکے چپکے
کچھ اور لوگ کرتے ہیں جب کام چپکے چپکے

معماروں کو تعمیر سے فرصت نہیں ہوتی
پھیلاتے ہیں تخریب کا یہ دام چپکے چپکے

ظاہر ہیں اس کے حکم کی تعمیل بھی کرتے ہیں
کرتے ہیں اپنے مالک کو بدنام چپکے چپکے

کچھ وحشی پھڑپھڑاتے ہی رہتے ہیں آندھیوں میں
ایسے بھی ہیں جو ہو جاتے ہیں رام چپکے چپکے

حیران ہوں کس صبح کا پیغام لے آیا ہے
"کوُڈی ٹا" کا یہ مرغِ بے ہنگام چکے چکے

ہولی

اچھے بھیّا بولی سمجھو
آج کے دن کو ہولی سمجھو
میرے ہاتھ میں ہے پچکاری
مجھ کو نہیں ہے لاج تمہاری
پگڑی کو کر دوں پھُلکاری
لال کروں بھابی کی ساڑھی
اچھے بھیّا بولی سمجھو
آج کے دن کو ہولی سمجھو
ڈر کر خوب گلال سے بھاگے
جیسے مچھلی جال سے بھاگے

جیسے کوئی کال سے بھاگے
یا کوئی بھونچال سے بھاگے
اچھے بھیّا بولی سمجھو،
آج کے دن کو ہولی سمجھو،
ہولی کھیلے قسمت والا
جس کا ساتھی کرشن گوالا
یہ ڈرنا تب تک ہے لالہ
جب تک مُنہ نہیں ہوتا کالا
اچھے بھیّا بولی سمجھو،
آج کے دن کو ہولی سمجھو،
کل راجہ کے پوت بنوگے
یا پرجا کے دُوت بنوگے
آج کے دن تو بھوت بنوگے
یا کالا شہ توُت بنوگے
اچھے بھیّا بولی سمجھو،
آج کے دن کو ہولی سمجھو،

ہولی کی گاگر کا پانی
نیلا پیلا کیسری دھانی
اک صورت نہ گئی پہچانی
ایک ہوئی ہیں داسی رانی
اچھے بھیا بولی سمجھو!
آج کے دن کو ہولی سمجھو!
ہولی کی اگنی ہیں پیارے ،
جل جائیں دکھ درد تمہارے
گر نہ پڑوں لغزش کے مارے
اٹھا ہوں ہولی کے سہارے
اچھے بھیا بولی سمجھو
آج کے دن کو ہولی سمجھو

عذابِ قبر میں ڈھیل

رزق مل جاتا ہے حیلہ چاہیئے
موت آتی ہے بہانہ چاہیئے

اے خدائے پاک ربِ ذو الجلال
کاغذاتِ رزق کو تو خود سنبھال

رزق پہنچے تاکہ بے خوف و خطر
تیرے درویشوں کو چھپّر پھاڑ کر

موت کا ایکاونٹ[1] لیکن بے قیاس
بھیج دے لاہور میں اے جی کے پاس

تاکہ اِس کی دیر سے تکمیل ہو
اور عذابِ قبر میں کچھ ڈھیل ہو

۱- اکونٹنٹ جنرل

یہ نیا دور

بعض کہتے ہیں امیروں کی قضا لائی ہے
بعض کہتے ہیں کہ چوروں کی خطا لائی ہے
مجھ سے پوچھو تو یہ ہے ردِّ عمل فطرت کا
یہ نیا دور غریبوں کی دُعا لائی ہے

اب کیا کریں

سوشلسٹوں کی حکومت کو گوارا کرلیں،
صبر ہی سے دِل صد چاک کا چارہ کرلیں
جب سیاست نے بُری طرح سے دھتکار دیا
مجھ سے پوچھو تو سیاست سے کنارہ کرلیں

خدا امتحان سے بچائے

بنایا ہے دنیا کو اک کھیل تم نے
تو جائز ہے دُنیا کو اِک کھیل سمجھو
مجھے تم مگر امتحان میں نہ ڈالو!
مجھے اِس سے پہلے ہی بس فیل سمجھو

یہ بھی اچھا ہی رہا

عمر بھر اُن کی سُنی اپنی نہ اُن سے کہہ سکا
یہ بھی اچھا ہی رہا اور یہ بھی اچھا ہو گیا
سُنتے سُنتے اس کے شکوے کان میرے پک گئے
اور گلہ میں نے کیا تو یار بہرا ہو گیا

سکونِ قبل از طوفان

آیا ہے ہوش قوم کو جوشِ جنوں کے بعد
ہونے کو سرفراز ہیں حالِ زبوں کے بعد
لیکن جو چھایا چھایا طلسم جمود ہے
طوفان آیا کرتا ہے ایسے سکوں کے بعد

بیگم کی جنگ

میری بیگم نے جلدی میں،
ہمسائی سے لڑائی چھیڑی
پھر جتنی جلدی چھیڑی تھی
اتنی ہی جلدی، سے، نبیڑی
لیکن مجھ کو حکم دیا ہے
اسپِ قلم کو لگاؤں ایڑی،
ہمسائی کی ہجو لکھوں میں
اُس کے پیڑ کو لکھوں پیڑی
ہاتھ میں ہردم ڈنڈا رکھوں
اِن کا کلیجہ ٹھنڈا رکھوں

شق القمر

روسی راکٹ نے کیا ہے چاند کے سینے کو شق
یعنی یہ ہے۔ دوست تیرے عہد کا شق القمر

اصطلاحِ علم میں جس کو "خبر" کہتے تھے ہم
دیکھتے ہی دیکھتے وہ بن گئی گویا "نظر"

اور اِس کے ساتھ ہی یہ عقدۂ مشکل کھُلا
وہ بشر ہی تھا جسے سمجھے تھے ہم فوقُ البشر

گزٹڈ افسر

حیرانی کی میری نہ رہی حد اکبر
شیروں کو چھپے بھیڑ سے دیکھا ڈر کر
پوچھا تو سبب اس کا تو معلوم ہُوا
یہ بھیڑ ہے ان شیروں پہ گزٹڈ افسر

یادش بخیر ابناش سنگھ صاحب ایک دفعہ پاس سے گزرے تو ان کی کشگفتی طبیعت کی وجہ سے ایک لمبا تڑنگا جاٹ ماتحت ادٹ میں ہوگیا - اس پر یہ قطعہ ہُوا -

نیا نغمہ

اِک نغمہ چاہتا ہوں میں فاختہ کی لَے میں
ارکسٹرا بھی جس کی ترتیب میں بنا ہو
ہوں آرٹسٹ اس میں یک جا وطن وطن کے
انگلینڈ کا ہو پیانو، گیٹار روس کا ہو
امریکی آرٹسٹ کے ہاتھوں میں کلارنٹ ہو
بانکا فرانس کا اِک وائلن بجا رہا ہو
مُرلی بجا رہا ہو بھارت کا ایک باشی
اور ارضِ پاک کا اِک طاؤس ہم نوا ہو
طبلہ بجائے چینی، کمبل بجائے رُومی
القصہ ساز اس میں ہر دیس کا چھڑا ہو
ہر ساز کی صدا یوں نغمے میں ڈوب جائے
جیسے کئی رگوں میں اِک دل دھڑک رہا ہو
یہ نغمہ لے کے جائے سنسار کے سفر پر
اور چونچ میں پتّہ زیتون کا لیا ہو

کاروباری غزل

آؤ کاروبار کی باتیں کریں
بے زر و زر دار کی باتیں کریں

ڈاکٹر نے بیچ لی جس کی دوا
آج اس بیمار کی باتیں کریں

قافلے کو لوٹ کر جو چل دیا!
قافلہ سالار کی باتیں کریں

بند ہے جو ہم غریبوں کے لئے
اس کھلے بازار کی باتیں کریں

دشت کی اس چلچلاتی دھوپ میں
دامنِ کہسار کی باتیں کریں

ہے طلب بیوپاریوں کو ووٹ کی
ہم بھی کچھ بیوپار کی باتیں کریں

آگ برساتی ہے میداں کی ہوا
سایۂ دیوار کی باتیں کریں

اہلکاروں کے مظالم دیکھ کر
مہرباں سرکار کی باتیں کریں

حسنِ بے پروا کے نخرے دیکھ کر
عشقِ ناہنجار کی باتیں کریں

بھول کر اکبرؔ کے حالِ زار کو
اپنے حالِ زار کی باتیں کریں

حفظِ خودی

بُلبُل کے جوشِ نغمہ سے کل صحنِ باغ میں
ایسا سماں بندھا کہ بشاشت ہوئی مجھے
طوطیِ رنگ و نغمہ نے سرشار کر دیا
مدّت سے آرزو تھی اسی چیز کی مجھے
کانوں کے رس نے آنکھ پر یہ سحر کر دیا
رنگِ چمن دکھائی دیا اور ہی مجھے

اتنے میں دیکھتا ہوں کہ پھولوں کی اوٹ سے
اک کُتیا دوڑ دوڑ کے ہے بھونکتی مجھے
میں نے کہا کہ باغ کی رنگین فضاؤں میں
آواز تیری لگتی ہے مکروہ سی مجھے
کہنے لگی کسی کی نفاست کو کیا کروں
منظور ہے جہان میں حفظِ خودی مجھے

میں کانٹی ہوں کوئی مجھے گُل سمجھ نہ لے
اور بھونکتی ہوں گُل مجھے بُلبُل سمجھ نہ لے

دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کو دنیا بُرا کہتی ہے وہ اپنی بُرائی کو اچھا سمجھتے ہیں بلکہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے لئے اچھا کہلانا اتنا ہی ناپسندیدہ ہے، جیسا بعض لوگوں کے لئے ،بُرا کہلانا ، دوسرے لفظوں میں وہ ہر وقت حفظِ خودی کی فکر میں رہتے ہیں۔

اوٹ پٹانگ

گلہری کے ہاتھ اونٹ کی ہے نکیل
چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل

گدھے کی کلائی میں ہے رِسٹ واچ
سؤر کے بہلنے کو پریوں کا ناچ

ہے تلوار بندر کے زیبِ کمر
گرا تاجِ شاہی مکوڑے کے گھر

وہ کُتّا جو مٹکے سے گھی کھا گیا
اُدھر جاکے جی اُس کا متلا گیا

بٹی چند مُردوں میں دولت کی کھیر
بدر رَو سے بہنے لگی جوئے شیر

جو رن شہد کی مکھیوں سے پڑا
ستمگار بھالو کو غش آگیا

ہوئی شیر صاحب کی تُرکی تمام
ہنومان کو کر رہا ہے سلام

قطار میں کھڑا ہونے کا نتیجہ

میں تم کو کیا بتاؤں کہ کیا دیکھتا رہا
ہوتا رہا بُرا کہ بھلا دیکھتا رہا
دل دب کے رہ گیا تھا شرافت کے بوجھ سے
حسرت سے اُن کی سمت سدا دیکھتا رہا
اُن کو بٹھا کے بس میں اڑا لے گئے رقیب
اکبرؔ قطار ہی میں کھڑا دیکھتا رہا

وارث

مَیں کہتا ہوں مر جاؤں گا
کوٹھی خالی کر جاؤں گا
سنتے ہیں سب بیوی بچے
کوئی نہیں یہ کہتا مجھ سے
ابّا جان زبان کو سنبھالو
ایسی بات نہ منہ سے نکالو

بے ذات بدلنے والے

گیدڑ نے کہا مجھ سے میں کُتّا ہوں شکاری
لے جاؤ مجھے ساتھ کبھی ہر نہ سکوگے
شہہ زور ہوں، جنگل کی لڑائی کا دھنی ہوں
جا کر میرے ہمراہ کبھی ڈر نہ سکوگے
اس وقت کہیں پاس ہی کُتّا تھا شکاری
کہنے لگا اے دوست مگر مر نہ سکوگے
کیوں نام بدلتے ہو جفا سہ نہ سکوگے
کیوں ذات بدلتے ہو وفا کر نہ سکوگے

وُہ بُخار

کچھ اُس بخار سے ایسا ڈرا ہُوا ہُوں مَیں
اتر گیا ہے مگر اب بھی کانپتا ہوں مَیں
میری نگاہ سے ماحول، یوں ہُوا غائب
کہ جس طرح کسی جنگل میں کھو گیا ہوں مَیں
مرے ضمیر میں ایسی بَلا کی گرمی تھی،
کہ جس طرح کسی دوزخ میں جل رہا ہوں مَیں
بجھی تب آگ جَلانے کو جب کہ کچھ نہ رہا
بس اتنی دیر اُسی آگ میں جلا ہوں مَیں
کہاں کی تمکنت اور کس طرح کی خود داری
بس ایک شمعِ سحر در رہِ صبا ہوں مَیں
کبھی سمجھ میں یہ آتا تھا بن چُکا ہوں ریچھ،
کہ اک چھڑی کے اشاروں پہ ناچتا ہوں مَیں

کبھی سمجھتا تھا البیلا گائے زادہ ہوں
بڑے خلوص سے کھونٹی پہ ناچتا ہوں میں
ہیرا خیال ہے اُن کو کبھی چڑھا نہ بخار
جنہیں خیال ہے اکبرؔ بہت بڑا ہوں میں

سر شہاب الدین کی محرومی

ڈھونڈھ کر لاؤ کہیں سے سر شہاب الدین کو
کھا گئی ہے گائے اُس کے دفترِ آئین کو
حیف ہے اغیار کے ٹٹو بڑھیں میدان میں
اس کا رہوارِ صبا رفتار ترسے زین کو
اُس کے جوہر کی ضرورت گر نہیں پنجاب میں
بھیجیے ایران کو یا نذر کیجے چین کو
زال کی موجودگی سے قوم کو کیا فائدہ؟
جب قبائے رستمی پہنائیں ہر مسکین کو

عہد انگریز میں سر شہاب الدین ہمیشہ قیادت سے محروم رہے پہلے سر فضل حسین نے ان کی ایک نہ چلنے دی اس کے بعد وہ سکندر حیات سے مات کھا گئے۔ آخر سکندر کی وفات پر خضر حیات ٹوانہ کے مقابلے میں بھی سر شہاب الدین کو کسی نے نہ پوچھا۔ اس پر یہ شعر بیساختہ ہوئے۔

نہ کیجئے

یوں بے حجاب خواب ہیں آیا نہ کیجئے،
یا یُوں نگاہِ شوق سے پردہ نہ کیجئے،
یا بے حجاب دوستی یا سخت بے رُخی
دونوں کے درمیاں ہمیں کھینچا نہ کیجئے
یہ بزمِ ناز ہے کہ کسی مولوی کا گھر
ایسا نہ کیجئے کبھی ویسا نہ کیجئے
یا پہلے قلب و ہوش پر پردے گرائیے
یا ہم کو ایسے پیار سے دیکھا نہ کیجئے
کیا شوخ رزمگاہِ محبت میں کہہ گیا
ہمت نہ ہو تو پیار کا دھندا نہ کیجئے

حضرتِ جوشؔ ملیح آبادی کی آمد پر

آم آتے تھے کبھی یارو ملیح آباد سے
ہم ہوئے محروم لیکن وقت کی اُفتاد سے
اُن کا رنگ اُن کی نفاست اُن کا رس ان کی مہک
آج کل جیسے اترتے جا رہے ہیں یاد سے
تُو نے بلبل کو گلِ تر سے چھڑا کر کیا لیا
وقت مہلت دے تو اتنا پوچھ لوں صیّاد سے
آج کل اتنا غنیمت ہے کہ پائیں وہ مزے
شعر سن کر جوشؔ جیسے نغز گو اُستاد سے

غزل

محبت نے ہم کو بہت آزمایا
کبھی ہم کو لیکن پھسڈّی نہ پایا

وہیں پھول کر دوست، کُپّا ہوئے ہم
کسی نے جو ہم کو ذرا گدگدایا

نچاتے رہے ہیں ہمیں گیت اپنے
کسی کی سمجھ میں کچھ آیا نہ آیا

نہ سیکھا کبھی ہم نے ناراض ہونا
اگرچہ بہت دوستوں نے ستایا

سرکار مائی باپ

قانون میں جائز ہوئی بچہ بازی
انگلینڈ کی کہ رہی ہے سرکار
بچّے کو ہو اعتراض تو ہو
ماں باپ کو اعتراض ہے نہ انکار

غزل

بانسری جیسی ہے صحت آپ کی
تازہ گُل جیسی ہے صورت آپ کی

چڑھتے سورج کا گُماں ہونے لگا
ہے شفق کی طرح رنگت آپ کی

ہوگئے بے ہوش اِک تھپیڑ سے ہم
کھُل گئی ہم پر نزاکت آپ کی

جان دینے پر نہیں کچھ اعتراض
چاہیئے لیکن اجازت آپ کی

دینے والے دے رہے ہیں دِل سی شئے
اور نہیں لیتے تو قسمت آپ کی

غیر کے رومال سے پونچھی جبیں!!
دیکھ لی ہم نے نفاست آپ کی

تم کو اکبرؔ وہم کیوں ہونے لگا
ہنس کے ملنا تو ہے عادت آپ کی

کدھر جائیں

اجازت ہے کسی کو بھونکنے کی اور نہ میاؤں کی
خداوندا یہ تیرے بلبیاں کُتّے کدھر جائیں
وطن میں راج ہے اب ڈالڈے کا اور بنولے کا
کنستر گھی سے کڑوے تیل کے کُپّے کدھر جائیں
گلا گھٹتا ہے گو داموں میں امریکہ کی گندم سے
موافق تھی جنہیں ویسی ہی وُہ چو ہے کدھر جائیں

قائدِ حزبِ مخالف

قائدِ حزبِ مخالف سے کسی نے پوچھا
کیوں مزاج آپ کا رہتا ہے ہمیشہ برہم
روز ایوان میں اُٹھتا ہے نیا ہنگامہ
تیر پر تیر چلاتے ہیں بہادر پیہم،
آخر اس ساری کشاکش کی حقیقت کیا ہے
کون سی شے ہے جو ہے قائدِ ایواں میں کم
آپ کو ان کی فراست سے ہے کتنی دوری
مُلک کو ان کی سیاست سے ہے کتنا جوکھم
مسکرائے کہ میاں اور تو کچھ بات نہیں
وہ ہمیں بننے نہیں دیتے وزیرِ اعظم

تعمیری پروگرام

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
کیک بسکٹ سے پُل اور چائے سے "تالاب بنا
کام وہ کر کہ بڑھے قوم کے دل کی ٹھنڈک
روح کیوڑے سے بنا برف سے برفاب بنا
چھوڑ تخریب کو تعمیر کا ٹھیکہ لے لے
مُرغ سے یخنی اور انگور سے مے ناب بنا
نوٹ سو سو کے بدل ڈال سبھی سونے سے
سونے کا کشتہ برائے دلِ احباب بنا
نوجواں قوم کے کمزور ہوئے جاتے ہیں
چھوڑ کالج کو انہیں رستم وسہراب بنا

"سُنئیے سنئیے"

اکبر کو کبھی پاس بٹھا کر سُنئیے
مجلس میں نہیں، گھر پہ بُلا کر سُنئیے

آنکھوں سے کبھی آنکھیں ملا کر سُنئیے
چہرے سے کبھی ہاتھ ہٹا کر سُنئیے

دل دل سے ہے ہمکلام آکر سُنئیے
غیروں سے توجہ کو ہٹا کر سُنئیے

اسرارِ محبت کا بیاں کرتا ہوں!
گھٹنے سے کبھی گھٹنا ملا کر سُنئیے

ملتی ہے شراب ہم غریبوں کو کہاں
چائے ہی کے دو گھونٹ پلا کر سُنئیے

افسانہ تمہارا ہے زباں میری ہے
دل کھول کے اور کان لگا کر سُنئیے

دو رکعت نمازِ فلم

دو چار کش لگا کے جو سگریٹ کے دیکھتا
دیتا سرور قلب کو سوز و گدازِ فلم!
سگرٹ ہوا ہے بند تو دِل کا یہ حال ہے
جیسے کہ پڑھ رہا ہوں دو رکعت نمازِ فلم!

نہ ہوئے سردار جی

جنھوں نے بند سینماؤں میں کیا سگرٹ
گناہگار مسلماں سے داد کیا پاتے
ہمارے ملک میں سردار جی اگر ہوتے
یہ حکم سُن کے ذرا باغ باغ ہو جاتے

ایک زمانہ تھا کہ سینما ہال میں فلم دیکھتے ہوئے سگریٹ کے

کش لگانے کی آزادی تھی۔ اُدھر کسی ایکٹر نے غم غلط کرنے کے
لیے دھوئیں کا گولا چھوڑا ادھر فلم بینوں نے بھی ازراہ
ہمدردی سگریٹ سلگالیے۔ آج کل کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

ہفتہ غزل

اتنی فرصت کاش ہوتی یار کو
ہم سے آ ملتے کبھی اتوار کو
پیر کی شب ہم نے جو دیکھا تھا خواب
وہ دکھاتے دیدۂ بیدار کو
شکر کرتے اس طرح منگل کے روز
چین آتا اس دلِ بیمار کو
بدھ کے دن کرتے اتنی منتیں
ٹال سکتے وہ نہ اس اصرار کو
پھر جمعرات آتی ایسی بانصیب
لائے جاتے داتاؒ کے دربار کو
جمعہ کا دن اس سے بنتا پُر بہار
چاہتے جانا وہ شالا مار کو

ہفتے کے دن ہوتی ایسی کیفیت
جانیں دل والے ہی اِن اسرار کو
اِس قدر تو سوچیے اکبرؔ کہ لوگ
کیا کہیں گے پڑھ کے اِن اشعار کو

گناہ تغزل

دل اُس کا گرفتار ہے معلوم نہیں کیوں
وہ درپئے آزار ہے معلوم نہیں کیوں
پٹ جاتا ہے نادان حسینوں سے مرا دل
ہر چند سمجھدار ہے معلوم نہیں کیوں
ہوتے ہیں فقط میری گنہ گاری کے چرچے
ہر کوئی گنہ گار ہے معلوم نہیں کیوں
جاں رہتی ہے فریاد بہ لب جس کے ستم سے
دل اُس کا طرفدار ہے معلوم نہیں کیوں
واعظ کو میسر ہیں سب اسباب گنہ کے
اکبرؔ ہی گنہ گار ہے معلوم نہیں کیوں

جی چاہتا ہے

ترے پاس آنے کو جی چاہتا ہے
یہ نغمہ سنانے کو جی چاہتا ہے

جسے گنگناتا رہا جی ہی جی میں
ترے ساتھ گانے کو جی چاہتا ہے

اگرچہ میں انساں ہوں گھوڑا نہیں ہوں
مگر ہنہنانے کو جی چاہتا ہے

ہوئی جس کے گانے سے اکثر پٹائی
وہی گیت گانے کو جی چاہتا ہے

خبر ہے کہ کل رات اولے پڑیں گے
مگر سر منڈانے کو جی چاہتا ہے

وہ لڑکی جو گنّا لیے جا رہی ہے
اُسے کاٹ کھانے کو جی چاہتا ہے

میری دُم اگرچہ ہے صدیوں سے غائب
مگر دُم ہلانے کو جی چاہتا ہے

وہ لفظِ محبت پہ بولے بگڑ کر
تیرا مار کھانے کو جی چاہتا ہے
رقیبوں سے وہ کھل کے کرتے ہیں باتیں
میرا بڑبڑانے کو جی چاہتا ہے
بہت کر چکا ہوں منانے کی کوشش
مگر اب ستانے کو جی چاہتا ہے
کوئی جا کے اکبرؔ کو گھر سے بلائے
کہ ہنسنے ہنسانے کو جی چاہتا ہے

بیٹری والوں کی کوٹھی

کہا نمرود نے، دیکھی ہے ہماری طاقت،
ہم جسے چاہیں اُسے مُردہ بنا دیتے ہیں
زندگی کا نظر آ جائے کہیں بھی شعلہ
ہم اُسے اِک دم خونیں سے بُجھا دیتے ہیں
یہ دیا ہنس کے براہیمؑ نے مُنکر کو جواب
ہم ابھی آپ کو قوت کا پتہ دیتے ہیں
روز مشرق سے نکلتا ہے خدا کا سُورج
دیکھیں سرکار اسے مغرب سے چڑھا دیتے ہیں

روز سُنتا ہوں عزیزوں کی زبان سے اکبرؔ
یہ سب اشعار بتاؤ تمہیں کیا دیتے ہیں
تم نے کوٹھی نہ بنائی نہ خریدی موٹر
طعنۂ عزبت کا ہمیں لوگ سدا دیتے ہیں
سُن کے کہتا ہوں کہ گو تم نہیں سُنتے لیکن

چاند تارے مجھے گردوں سے صدا دیتے ہیں
میری آواز پہ کہتے ہیں فرشتے لبیک
حور و غلماں مجھے دامن کی ہوا دیتے ہیں
میری خاطر سے دمکتے ہیں گلوں کے رخسار
لعل و گوہر میری آنکھوں کو ضیا دیتے ہیں
خاک کے ڈھیر پہ کوٹھی کا بنانا کیا ہے
بیڑیاں بیچ کے بھی لوگ بنا دیتے ہیں،

آدمیّت کی بات

آدمیّت کی بات کرتا ہوں
کوئی سن لے جو آدمی کی طرح

آپ پہنچے ہیں چرخ کے اس پار
گھوم کر ماہ و مشتری کی طرح

آپ کا راج ہے خلاؤں میں
آج سورج کی روشنی کی طرح

نوعِ انساں پہ آپ چھائے ہیں
نوعِ انساں کی زندگی کی طرح

بزمِ ہستی میں آپ آئے ہیں
ایک قندیلِ آگہی کی طرح

آپ کے سامنے حیاتِ بشر
بے ثباتی و بے خودی کی طرح

اس پہ بھی یہ مقامِ حیرت ہے
آپ حیراں ہیں حیرتی کی طرح

آپ کا دل نہیں ہے قابو میں
کسی مجبورِ عاشقی کی طرح

ایک عالم ہے آپ سے لرزاں
آپ لرزاں ہیں تیتری کی طرح

آپ کی طبع بھی ہے ڈانواں ڈول
فکرِ فردا سے میرے جی کی طرح

کارِ تسخیر سے جو فرصت ہو
بیٹھ کر سوچیئے کسی کی طرح

کس لیے آپ جی نہیں سکتے
امن سے نیک آدمی کی طرح

شادیانہ

بہت ہی بری شے ہے ہوٹل میں کھانا
شکم کی ضرورت کو باہر دکھانا

صفائی سے ہیں دور ہوٹل کے برتن
جنہیں چھو کے جاتا ہے سارا زمانہ

رذیلوں کے قبضے میں ہوٹل کے چمچے
کبھی پاؤں رکھنا کبھی منہ لگانا

ابھی جس صراحی سے اک پی گیا ہے
اُسی طرح پھر دوسرے کو تھمانا

ابھی اک تپائی سے سوڈا پیا ہے
ابھی پان کی پیک اس پہ گرانا

ہر اک جا پہ پھیلی ہوئی بدتمیزی
کوئی حد ہے اس کی نہ کوئی ٹھکانا

غرض یہ وہ آرام گاہ ہے جہاں پر
شریفوں کو سجتا نہیں آنا جانا

یہاں ہر طریقہ خلاف شرافت
یہاں کا ہر انداز ہے سوقیانہ

بتائے کوئی کیا یہ بہتر نہیں ہے
نفاست سے اپنا نیا گھر بسانا
جہاں سارا سامان معیار کا ہو
جہاں کی ہر اک چیز ہو دلبرانہ
صفائی کی چاروں طرف ہوں قناتیں
سروں پر ہو معیار کا شامیانہ
کسی حور وش کے تصرف میں دے کر
سبھی انتظام اور سبھی آب و دانہ
رکھیں یہ توقع وہ گھر کو سنبھالے
ہمارا فقط کام ہو مسکرانا
بجاتے رہیں چین کی بنسری ہم
دھڑلے سے پینا دھڑلے سے کھانا
سبھی جانتے ہیں کہ ہے سہل کتنا
ہمارے زمانے میں گھر کا بسانا

مہیّا ہے ہر زندگی کی سہولت
نہ پھر آئے گا ایسا سستا زمانہ

پھر ہیں مارے مارے اگر ہوٹلوں میں
تو ہم کو نہ بخشے گا اچھا زمانہ

جو دیکھا کہ ہے عام کفرانِ نعمت
لکھی ہم نے یہ نظم پھر ناصحانہ

ادھر کی ہے ہوٹل میں کھانے سے توبہ
یہ ہے صاحبِ خانہ کا شادیانہ

عذاب النار

ہیرامنڈی میں ایک رنڈی کی
لوگ سُنتے تھے گرمیِ گفتار
اُس کی آنکھوں سے شُعلے جھڑتے تھے
تھی زباں اُس کی تیغ بے زنہار
کہ رہی تھی کہ سخت احمق ہے
کر دیا جس نے بند یہ بازار
بند باندھا ہے اس نے طوفاں پر
گرچہ اِک واہم پر ہے اس کا مدار
کون پروانے کو یہ سمجھائے
جان اپنی نہ جاکے شمع پہ وار
گھر سے جلتا ہوُا پہنچتا ہے
دین و دنیا سے جان سے بیزار

شمع اس کو پناہ دیتی ہے
لوگ کہتے ہیں شمع پر ہے نثار

کیا کسی کے دبائے دبتے ہیں
پیٹ کی آگ اور تھکن کا خمار

اُن کو ملتا ہے اِس جگہ پہ سکوں
جن کا سوزِ دروں ہے گلخن وار

بے بصر پاکباز کیا جانیں
کام کرتی ہے کیا یہ دل افگار

بن کے نیکوں کی محفلوں ہیں بُرا
بے قراروں کو دے رہی ہے قرار

اِس نے وُہ کارتوس روکے ہیں
جن کا ہونا تھا بے کسوں پر وار

مولوی کو یہ راز کیا معلوم
وقِنا ربّنا عذاب النار

مگر یہ تبا تجھ میں عورت کہاں ہے

کبھی تُو نے آنکھوں کی مستی دکھائی
کبھی تُو نے ہونٹوں کی سُرخی دکھائی
کبھی تُو نے گالوں کی نرمی دکھائی
لچک تو نے پتلی کمر کی دکھائی
مگر یہ تبا تجھ میں عورت کہاں ہے

تیرے حُسن کی دلبری دیکھ لی ہے
تیری چال کی دلکشی دیکھ لی ہے
طبیعت تیری چُلبلی دیکھ لی ہے
پری دیکھ لی تیتری دیکھ لی ہے
مگر یہ تبا تجھ میں عورت کہاں ہے

کسی گھر کی سب زیب و زینت ہے عورت
کسی گھر کی سب شان و عزت ہے عورت
کسی گھر میں سامانِ راحت ہے عورت

محبت، محبت، محبت ہے عورت،
مگر یہ بتا تجھ میں عورت کہاں ہے
ملے جو نہ گھر میں وہ عورت نہیں ہے
رہے جو سفر میں وہ عورت نہیں ہے
پھرے بحر و بر میں وہ عورت نہیں ہے
لٹے رہگذر میں وہ عورت نہیں ہے
مگر یہ بتا تجھ میں عورت کہاں ہے
بڑا نام مردوں میں پیدا کیا ہے
نگاہوں کو جی بھر کے خیرہ کیا ہے
نہ گھر میں رہی اور نہ پردہ کیا ہے
یہ اچھا کیا ہے جو سودا کیا ہے
مگر یہ بتا تجھ میں عورت کہاں ہے

الجھن

گدھے میں کتنے ہیں اوصاف گھوڑے کے یہ بتلاؤ
سوال اُستاد سے پوچھا کسی نے محفلِ فن میں
جواب اُس کو ملا تھا جو وہ اب تک یاد ہے مجھ کو
کہ اکثر گھومتا رہتا ہے اکبر وہ میرے من میں
جو ہیں اوصاف گھوڑے کے فقط ملتے ہیں گھوڑے میں
کہ جیسے پھول میں خوشبو ہو جیسے روح ہو تن میں
مگر اوصاف گھوڑے کے گدھے میں ڈھونڈنے نکلوں
گدھے کو بھی ہنسی آئے گی مجھ کو پا کے الجھن میں

اُن کے دو اندیشے؟

یہ دیکھنے کو اُن میں کوئی زندگی بھی ہے،
میں نے کہا تمہیں کبھی فرصت ہوئی بھی ہے
فارغ ہوئے ہو جبکہ تلاشِ معاش سے!
تفریح دوستوں سے، کوئی دل لگی بھی ہے
جس میں ہو ذکر قوم کا یا حالِ ملک کا
یاروں کے ساتھ بحث کبھی یہ چھڑی بھی ہے
دیکھا گیا ہے یا کبھی ماحول کی طرف
یہ دیکھنے کو اس میں ہنسی یا خوشی بھی ہے
یا یہ کہ زندگی کا سفر چند روزہ ہے
اس سمت دشمنوں کی طبیعت گئی بھی ہے
کہنے لگے معاش کے دھندوں کی کوفت سے
فرصت ہمیں جناب کسی دم ملی بھی ہے

اب فکر یہ ہے آپکے قربان جائیے جو مل گیا ہے اب اسے کس طور کھائیے

گھر بار

(علامہ اقبالؒ کی رُوح سے معذرت کے ساتھ)

تو نے گھر بار کی پُوچھی ہے حقیقت مُجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ گھر بار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا مکمل شوہر
جو نہ بیگم سے کسی بات پہ تکرار کرے

روز سہہ سہہ کے ستم اُس کا لہو گرمائے
صبر کی سان چڑھا کر اُسے تلوار کرے

کھانے بیٹھے تو کرے ایسی کسیلی باتیں
کہ اُسے حاضر و موجود سے بیزار کرے

عہد حاضر کے منافی ہے تمدّن ایسا
جو نہ پتنی کو پتی دیو پہ اسوار کرے

مطالعہ

کسی ذلیل نے کی ہے جو بے تکی بکواس
یہ سچ ہے آپ کا مجروح ہو گیا احساس
مگر حضور ذرا اِس پہ غور فرمائیں
کہ کِن وجوہ پہ ہے اُس ذلیل پن کی اساس
تو یہ مطالعہ دل چسپ بھی ہے اور وسیع
کہ اس غریب نے کِس طرح کھو دیئے ہیں حواس
ہر ایک بات جو اس کی زبان سے نکلی ہے
مُحرّک اُس کا ہے اک واقعہ بروئے قیاس
اُسی کے زور سے اس کو چڑھا ہوا ہے بخار
یہی کہے گا جو دیکھے گا کوئی نبض شناس
پہنچ گئی ہے جہاں اس مطالعہ کی چمک
دمک اٹھا ہے ستاروں سے آسمانِ سپاس،
مجھے ہوئی ہے میسّر اس آسمان کی سیر
وگرنہ اور کچھ اکبر نہیں ہے میرے پاس

شاہ پسند نسخہ

میں سناتا ہوں اک اکبرؔ دوستوں کو واقعہ
پر نہیں یہ واقعہ ہنسنے ہنسانے کے لیے
میں نے اک دانا کو دیکھا عقل دیکھی جس کی گم
اور تھا بیتاب کچھ مجھ کو بتانے کے لیے
بڑھ رہا تھا پے بہ پے اس مضطرب کا اضطراب
اور تھا مجبور حالِ دل سنانے کے لیے
مجھ سے ملتے ہی لگا کہنے کہ میں حیران ہوں
کر سکے گی عقل کیا تیرے زمانے کے لیے
میں نے اِک نسخہ کیا ایجاد ساری عمر میں
آدمی کو عقل اِک پل میں سکھانے کے لیے
اور اس نسخے کے اجزا لے کے پہنچا شوق سے
بادشاہِ وقت کو فوراً دکھانے کے لیے
عرض کی حاصل ہے میرے تجربے کی یہ دوا

بے بدل اکسیر ہے دانش سکھانے کے لیے
ایک ہی خوراک میں نادان کو دانا کرے
آیا ہوں سرکار سے میں داد پانے کے لیے
بادشاہِ وقت نے مجھ سے جو فرمایا، سُنو
اور کہو کافی نہیں دل کے بجھانے کے لیے
مجھ سے فرماتے ہیں "جا رلیسرچ کر پھر اے حکیم"
پیش کر ایسی دوا اس آستانے کے لیے
سلطنت میں جس کسی کو علم و حکمت پر ہو ناز
ایک چٹکی دوں اسے پاگل بنانے کے لیے
ہم کو خوش کرنا ہے تو ایسی دوا کو ڈھونڈ لا
اور شفاء الملک کا اعزاز پانے کے لیے

سب بڑا جرنیل

کوئی میجر ہے نہ اب کرنیل ہے،
اے ممّی جی ہی سب سے بڑا جرنیل ہے
میری اس ناچیز رائے کا سبب
کوئی گر پوچھے تو درج ذیل ہے
کر رہا ہے لاکھ ارمانوں کا خون
چیں جبیں پر ہے نہ دل میں میل ہے

ع۔ اکاؤنٹنٹ جنرل

حیدرآباد (سندھ)

کچھ ان کی شکل اچھی ہے کچھ ان کا طور اچھا ہے
اب آگے کیا کہوں کیا سندھیوں کا اور اچھا ہے

پلاؤ ہے نہ زردہ ہے نہ فرنی ہے نہ قیمہ ہے
مگر بے وقت چائے کا یہاں پہ دَور اچھا ہے

رہے گو عمر بھر اِن میں کبھی "اچھا" نہ کہلائے
مگر سندھی زباں بولے تو پھر فی الفور اچھا ہے

محبت بے اثر اِن کی عداوت بے بصر اِن کی
نہ اِن کا پیار اچھا ہے نہ اِن کا جَور اچھا ہے

جہاں آباد ہے کوئی وہ اچھا ہے وطن اُس کا
مگر میرے لیے اکبرؔ میرا لاہور اچھا ہے

۱۹۵۹ء میں بسلسلہ ملازمت سندھ گیا تھا۔ چند تاثرات ملاحظہ ہوں۔

کراچی

سیب ملتے نہیں جاناں تیرے رخسار تو ہیں ،
دل کی طاقت کے لیے شربتی گاجر ہی سہی

مئے گلفام کا تو قحط ہے اس بستی میں ،
دل کے بہلانے کو اِک سُرخ ٹماٹر ہی سہی

اب کے قندھار سے آئے نہیں گر سُرخ انار
خوانِ نعمت پہ یہاں لال چقندر ہی سہی

گلِ داؤدی نظر آتے ہیں گیندا گلاب
آج گلشن میں فقط کولی فلاور ہی سہی

دُرِ شہوار کا ساحل ہے اگر دور بہت
یہ کراچی ہے یہاں سطحِ سمندر ہی سہی

راج لوگ

راجہ کے دربار میں بھانت بھانت کے لوگ
کچھ راجہ کے لاڈلے کچھ پرجا کے لوگ
اِک منڈل کے منتری ایک سبھا پردھان
اِک جنتا کی جوت ہیں اِک سینا کا مان!
ہر گھوڑے کی پیٹھ پر اِک افسر اسوار
صوبے داروں سے بھرا راجہ کا دربار
ہر ماتھے کی ریکھ میں راجہ کا پرتاب
کون اٹھائے چھتر کو تھامے کون رکاب
اِتنے راجہ بن گئے پرجا نظر نہ آئے
اکبر اب یہ سمے ہے تو پرجا رہ جائے

قیامِ پاکستان کے بعد بہت سے لوگوں نے ترقی کے لیے درخواستیں دیں۔ اگرچہ میں کبھی سرکاری ملازمت میں تھا مگر میں نے حسبِ عادت اپنی ترقی کے لیے کوئی درخواست نہ دی۔ دوستوں نے وجہ پوچھی تو عرض کیا اتنے ٹیکس کلکٹروں میں کوئی ٹیکس گذار بھی تو ہونا چاہیئے۔ یہی خیال اس نظم کا محرک ہوا۔

خیریت نامہ

مولوی ہیں نہ ہم مسیتے ہیں!
بیتے دن سب خوشی سے بیتے ہیں!
خُوب کھاتے ہیں خوب پیتے ہیں!
اسی مقصد سے یار جیتے ہیں!
یعنی ہر طرح خیریت ہے یہاں

بال بچوں کو ہیں سبھی آرام،
خوش ہیں سب باوا لوک اور مادام
پیٹ گننا نہیں ہمارا کام
کھائیں گے پیٹ بھر کے میٹھے آم
یعنی ہر طرح خیریت ہے یہاں

شادمانی ہے جن گھروں سے دُور
اُن سے ہم دُور بھاگتے ہیں ضرور
بن گئے اُن کے زخم گر ناسور،
اس میں آخر ہمارا کیا ہے قصور!
یعنی ہر طرح خیریت ہے یہاں

کفر و ایماں کا کچھ نہیں کھٹکا!
ایسے وہموں میں دل نہیں اٹکا
جس نے اِن کا اٹھا لیا مٹکا
آسماں نے اُسی کو دے پٹکا،
یعنی ہر طرح خیریت ہے یہاں

وعظ سنتے ہیں مولوی جی کا
پر نہیں دل میں خوف رتی کا
آج ساماں ہے دل کی شادی کا
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
یعنی ہر طرح خیریت ہے یہاں

ماتم "چھُری" کا

روئے کہتا تھا قسائی یہ بڑی اماں سے
صبح کو ہاتھ لگایا تو چھُری ٹُوٹ گئی

وہ مری چاندی کے دستے سے مزین نہ رہی
وہ میری ہمدم و ہمراز جو تھی ٹُوٹ گئی

مَیں نے کتنے ہی گلے دھار سے کاٹے ہوں گے
آخرش دھار مِٹی بار ڈھ کٹی، ٹُوٹ گئی

ماں نے فرمایا تری عمر بڑی ہو بیٹیا
غم نہ کر ایک اگر کوکھ جلی ٹُوٹ گئی

خالِقِ عادل و برحق کا یہ فرمان سُن لے
ظلم کی شاخ جہاں تک بھی بڑھی، ٹُوٹ گئی

آخری توپ

خدایا ہمیں آخری توپ دے، دے
کہ ہوں جس میں گولے بقدرِ ضرورت
نکلتے ہی اُس توپ سے پہلا گولا
ہر اک شے کی منڈی میں ہوزوں ہو قیمت
چلے توپ سے دوسرا جبکہ گولا
وطن سے مرے دُور ہو جائے رشوت
اثر تیسرے گولے کا ہو دلوں پر
میرے دیس میں رہ نہ جائے جہالت
پھر اِس توپ کو توڑ کر دفن کر دیں
نہ رہ جائے پھر قوم کو اس کی حاجت

تیرے لاڈلے عوام

(قائد عوام سے)

میرے قائدِ عوام　　تیرے لاڈلے عوام
چلنے دیتے نہیں کام　　کرنے دیتے نہیں کام

ڈھکنا لے گئے ہیں یار　　مین ہول کا اُتار
چلنا مشکل ہے دو گام　　میرے قائدِ عوام

موڑ موڑ پر ہیں چور　　ہیں آزاد سینہ زور
رستے بند سرِ شام　　میرے قائدِ عوام

آدھا پانی آدھا دُودھ　　جتنا اصل اتنا سُود
پینے والے کو سرسام　　میرے قائدِ عوام

رکشا ٹیکسیوں کے بیچ　　سوچ سماج اونچ نیچ
پڑے کرتے ہیں آرام　　میرے قائدِ عوام

کرگہ اڈّا ہوئے اجاڑ　　ڈیوٹی آدے نظر پہاڑ
اپنے رام بچائیں چام　　میرے قائدِ عوام

بات بات پر جلوس　　زندہ باد چین و روس
اپنا دیس بولو رام　　میرے قائد عوام

ایجی ٹیشن کی بارات　　اس کو گھونسہ اس کو لات
توڑ پھوڑ اور دشنام　　میرے قائدِ عوام

پیر ساری سڑک سوار　　لیبر لیڈر لمبی کار
بوڑھی گھوڑی لال لگام　　میرے قائدِ عوام

سارے لیڈر اُن کے ساتھ　　سارے پتّے ان کے ہاتھ
میرے ہاتھ ہیں غلام　　میرے قائدِ عوام

سارے کام ہوئے آسان   باقی رہ گئی زبان

جس کی ہے یہ دھوم دھام   میرے قائدِ عوام

میرے قائدِ عوام

تیرے لاڈلے عوام

چلنے دیتے نہیں کام

کرنے دیتے نہیں کام

برطانوی قوّال

ختم قوّالی ہوئی برطانوی قوّال کی
بزم میں لیکن وہی کیفیتیں ہیں "حال" کی
دیتا تھا جس "قوال" پر وہ زور سے طبلے پہ تھاپ
ناچتے ہیں آج تک اُس قول پر لیں ہوں کہ آپ
بے تحاشا ناچتے ہیں مل کے شیخ و برہمن
واہ کیا مقبول ہے مشرق میں ان حضرت کا فن
ریڈیو پر بھی جو سُن پاتے ہیں اُس آواز کو
ایڑیاں حرکت میں آجاتی ہیں پھر جو ہو سو ہو

لبعدہٗ

اہلبیتؑ کا درس ہے نام خدا کے بعد
دینِ نبیؐ پہ ظلم ہے "وصلِ علیؑ" کے بعد

مومن کو جس سے واسطہ پڑتا ہے روز و شب
شیطان بھی ہے خالقِ ارض و سما کے بعد

چہرہ کبھی اَٹا تھا محبت کی دھول سے
نکھرا ہے رنگ یار کا خونِ وفا کے بعد

ہے اہلِ کارواں کے لیے شکر کا مقام
رہزن کوئی نہ لُوٹ سکا رہنما کے بعد

اِک تازہ کربلا جو بنائی تو یہ کہا
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آنکھ کا نقص

ماہرِ امراضِ چشم اور ایک مردِ معتبر
کہہ رہے تھے بات کچھ اِک دوسرے کے کان میں
ماہرِ امراض نے آخر یہ چلّا کر کہا
"بس بھی کر دارو نہیں تیرا مری دکّان میں"
میں نے کی عرض اے طبیب اے ماہرِ امراضِ چشم
پیشہ حکمت ہو تو نرمی چاہیئے انسان میں
ڈاکٹر نے مسکرا کر یہ دیا مجھ کو جواب
ایسے موقع پر نہ تھی نرمی مرے امکان میں
مجھ سے کہتا تھا میری آنکھوں میں ہے ایسا بگاڑ
دوسروں کا نقص رائی ہو تو لگتا ہے پہاڑ

نکیل

اے سہیلی اونٹ کی تھامو نکیل
اونٹ کی تسخیر ہے بچّوں کا کھیل

دیکھنے میں کوہ پیکر باوقار
پر تمہارے سامنے زار و نزار

تیری جنبش معجزہ دکھلائے گی
تن بدن میں جھرجھری سی آئے گی

بیٹھنا کیا ہے وہ یُوں جائے گا لیٹ
جیسے اُٹھ سکتا نہیں ہے اس سے پیٹ

اب اُسے پیٹو کہ ہو اس پر سوار
تو شکاری ہے وُہ ہے تیرا شکار

مشتِ پنبہ ہوگا وہ فولاد تن
پانی پانی ہوگا اُس کا تن بدن

بُلبُل اسیر سے

یہ کہتا تھا بُلبل کہ میں ہر طرح سے خوش ہوں
ہر قسم کی تسکیں ہے مجھے کنجِ قفس میں
نے تیر کہاں میں ہے نہ صیاد، کمیں میں!
ہر نوع کا آرام ہے گویا میرے بس میں
اکبرؔ نے کہا اس سے کہ اے طائرِ مجبور،
کیا تو نے وہ دیکھا نہیں جو زہر ہے رس میں
وہ نغمۂ آزاد وہ تیرے پرِ پرواز،
کیا بھول گیا تو تشنۂ زنداں کی ہوس میں،
صیاد کمیں میں ہو کہ ہو تیر کماں میں،
اب کس کے لئے ؟ کیا ہے ترے پاس جہاں میں

برٹش فورن آفس

(شیطان کی مستقل قیام گاہ)

شیطان کو میں نے دیکھ لیا اک روز نواحِ پیرس میں
مشغول تھا اپنے کاموں میں مصروف تھا اپنی بزنس میں
میں نے یہ کہا انسان کو تو دنیا میں کہیں آرام نہیں
وہ کون سی بستی ہے صاحب تم امن سے رہتے ہو جس میں
شیطان نے کہا رہنے کے لیے ہم کو بھی بڑی مشکل ہی رہی
ہر شہر میں پھر کر دیکھ لیا ہر کوٹھی میں ہر پیلس میں
اپنے عملے کے ٹھہرانے کی اور کہا گنجائش تھی !!
ناچار پڑا ہوں مدت سے برطانوی فارن آفس میں

شاہی محلّے کی پیاری ہمسائی

وُہ جو ہمسائی اک ہماری ہے
آج تک اُس کا فیض جاری ہے
میکشوں کا ہجوم رہتا ہے
قیمتِ جام اختیاری ہے
بے نواؤں سے پیار ہے اُس کو
نام اُس مہرباں کا پیاری ہے

ہم پر راج کرو مہاراج

بگڑے سارے ہمرے کاج
ہم پر راج کرو مہاراج
سر پر تاج دھرو مہاراج

کوئی نہ ہم ہیں راجہ رانی
سُوکھ گیا آنکھوں کا پانی
نہ کوئی ساکھ رہی نہ لاج

ہم ہیں آدم جات نہ کوئی
کوئی ہے ہانڈی کوئی ہے ڈوئی
کوئی ہے چھلنی کوئی ہے چھاج

دنیا بدلی ہے تو بدلے
اُجلے ہو نہ سکے ہم گدلے
جیسے کل تھے ویسے آج

پھرتے ہیں آزاد لٹیرے
ڈاکوؤں نے ڈالے ہیں ڈیرے
اپنے دیس میں اپنا راج

اَب جو کام کرے نادان

روٹی - کپڑا اور مکان
ذمّے سرکارِ ذیشان،
اب جو کام کرے نادان
اب جو کام کرے نادان

مِل کا مالک باہر جائے
باہر والا اندر آئے
یہ ہے نوکر کا فرمان
اب جو کام کرے نادان

جس نے کمایا اس نے کھایا
کر خانہ ہے بے سرمایہ
رہ گئیں دو آنکھیں دو کان
اب جو کام کرے نادان

کالج اور اسکول پرانے،
پڑھ پڑھ، یار ہوئے دیوانے
اِن سے معاف رکھے رحمان

اب جو کام کرے نادان

رات کلینر صبح ڈرائیور
موٹر پھر بھی جائے فرفر
سارے کام ہوئے آسان

اب جو کام کرے نادان

فرسٹ ایپرفول

کیوں نہ کہیں کہ آج یار بخت ہی سازگار ہے
جس کا کہ انتظار تھا آج وہ آشکار ہے
دور ہوئی کشیدگی سب ہوئے مائل طرب
آپ کی نو دمیدگی تازہ رُخِ بہار ہے
بعض بہت ہیں بے اصول آپ کو کہہ رہے ہیں فول
آپ نہ ہوں ملول مجھ کو بھی ناگوار ہے،
منتظران باصفا چھیڑ بھی لیں تو کیا ہوا
آپ کو اُن سے کیا گلا آپ سے اُن کو پیار ہے
ہوتی رہے گی دل لگی اس سے بڑھے گی زندگی
گر نہیں آپ کی خوشی آپ کو اختیار ہے
کرتا ہے نظم کو تمام اور حضور کو سلام
کون؟ وہ آپ کا غلام اکبرؔ خاکسار ہے۔

ہزاروں فرسٹ ایپرفول اس مرحلہ سے گزر کر زندگی کی بے شمار منزلیں طے کر گئے۔ مگر فرسٹ ایپرفول آج

بھی موجود ہے۔ اور اس کے اِردگرد قہقہوں کا شور آج بھی ویسا ہی تر و تازہ ہے جیسا اس زمانے میں تھا جب کہ ایک سابقہ فرسٹ ائیر فول نے دیال سنگھ کالج لاہور میں نئے آنے والوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے یہ نظم کہی۔ اس لیے آج بھی یہ نظم حسبِ حال ہے اور کل بھی حسبِ حال رہے گی۔

بکواس

دیکھیں ساقی کب آئے اپنے پاس
ہم نے بھی دھو کے رکھ دیا ہے گلاس
خطرۂ جنگ ٹل گیا شاید
آج تاجر جو پھر رہے ہیں اُداس
مولوی جی نمازیوں کے سپرد
اور شیطان کو خدا کی آس
دین کی مصلحت کو کیا سمجھیں
ہم گنہگار ہم عوام الناس،
شیخ صاحب ہیں اور برہمن ہیں
کون سچا ہے آؤ کر لیں ٹاس
انفلوئنس ہیں وزیر دل سے
بڑھ گئی شیخ جی تمہاری ساس،
ہر حلاوت سے ہو گئے محروم
شیخ کی دوستی نہ آئی راس

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
چھپ نہ جائے کہیں میری بکواس

حکم ہے مختصر بیان کرو
کتنا بہتر ہے کانچ سے الماس

عرض کرتا ہوں فرق پنہاں ہے
اور دونوں کی ایک سی بو باس

ہائی کورٹ کی "ان لیمنی"

وہ پوچھتے ہیں کہ کیا میں کسی سے ڈرتا ہوں
جواب دیتا ہوں، ہاں جاں کنی سے ڈرتا ہوں
اور اس کے بعد جو ڈرتا ہوں میں خدا کی قسم
تو ہائی کورٹ کی "اِن لیمنی" سے ڈرتا ہوں

بے تُکی

دوکاندار کے آگے سکندری کیا ہے
ہر ایک چیز کی محتاج قیصری کیا ہے
جو اصل چیز ہے وہ ہے منافع بسیار
مروّت اور مدارات قوم کی کیا ہے
سوائے اس کے کہ اپنا ہی فائدہ دیکھیں
خودی کا فلسفہ کیا شے ہے اور خودی کیا ہے
فروٹ کیک ہوں چائے کے ساتھ اور کباب
جو چین سے نہ ہو آئی کراکری کیا ہے
جو خود نہ کر سکے وہ جونیئر سے کروائے
یہی تو افسری ہے اور افسری کیا ہے
مقالہ پڑھ کے قیامت قریب آئے نظر
سوائے اس کے کمالِ ایڈیٹری کیا ہے
کسی طریق سے یاروں کو ممبری دلوائے
قیادت اس کے سوا کیا ہے لیڈری کیا ہے

خدا کو بھول کے بندے کو مان لے رزّاق
یہی تو نوکری ہے اور نوکری کیا ہے۔
جواب سُن کے ٹھہرنا کسی بخیل کے پاس
گداگری جو نہیں تو گداگری کیا ہے
خدا نے آج منسٹر بنا دیا اُن کو
جنہیں خبر ہی نہیں ہے منسٹری کیا ہے
خوش آ گئی ہے زمانے کو بے تُکی میری
" وگرنہ شعر میرا کیا ہے، شاعری کیا ہے"

مِن و عَن

دیکھنے کے لیے خالق نے جو آنکھیں دی ہیں
اِن سے ہر چیز کی ہیئت کو مِن و عَن دیکھو
گر سمجھتے ہو کہ انساں ہیں برابر سارے
آدمی زادے کو در شکل برہمن دیکھو
گو بظاہر سبھی بے نفس نظر آتے ہیں
بزم زہاد میں ہوتی ہوئی اَن بَن دیکھو
دہر میں گر کہیں اعلان ہو آزادی کا
جرم افکار پہ لگتی ہوئی قدغن دیکھو
گر سمجھتے ہو کہ تم لائقِ ہمدردی ہو
ایسے حالات میں کیا کرتے ہیں دشمن دیکھو
گر کبھی فخر ہو محسوس کہ فنکار ہوں میں

پنجرۂ جہل میں افسردگیٔ فن دیکھو
صنفِ نازک کا گماں تم کو ہو گر عورت پر
تو کسی گھر میں گرجتی ہوئی سوکن دیکھو

علامہ مشرقیؒ کی ساتویں برسی پر

کسی نے ہم سے کہا آؤ زندگی کر لیں
صدا اُدھر سے اُٹھی آؤ خودکشی کر لیں
عجیب حکمِ مشیّت ہوا مگر جاری
کہ ساری قوم نے کی خودکشی کی تیاری
دعا بواسطۂ روحِ مشرقی ہے آج
بچاری قوم کو مِل جائے زندگی کا مزاج

چیچوکی ملیاں

کیا پوچھتے ہو چیچوکی ملیاں کے ساکنو!
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
اسمبلی اِک مقام تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

میں اسمبلی میں اسسٹنٹ سیکرٹری تھا۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں اسمبلی توڑ دی گئی اور مارشل لاء کے ایک ہی ریلے نے اکبر لاہوری کو ایوانِ اسمبلی چیئرنگ کراس لاہور سے چیچوکی ملیاں پہنچا دیا۔ ساکنانِ چیچوکی ملیاں نے پوچھا تم کون ہو۔ اور یہاں کیسے آگئے ہو؟۔ اکبر لاہوری ویسے تو بڑا باتونی بنتا ہے مگر اس استفسار پر بغلیں جھانکنے لگا۔ زبان تالو سے جا لگی۔ اس عالم میں حضرت میر تقی میرؔ کی یاد آڑے آئی۔ عرض کیا

مرزائیوں کا مسئلہ دار العلوام میں

سمجھوں گا یہ دھماکہ ہے ہندوستاں کیطرح
ایسا ہی سمجھا جائے اِسے خاص و عام میں
جس روز اتفاق سے آیا برائے بحث
مرزائیوں کا مسئلہ دار لعوام میں

انٹرنیشنل احمق

آج انٹرنیشنل احمق وُہ ڈپلومیٹ ہے
جس کے تن پر سوٹ ہے اور جسکے سر پہ ہیٹ ہے
جو سمجھتا ہے کہ میری بات یہ چل جائے گی
اسلحہ کم ہو تو آخر جنگ بھی ٹل جائے گی

لعنت کی حسرت

غیروں کو مل گئی ہے جو ایٹم کے نام پر
کہتا ہے کون ہم کو وُہ عزت نصیب ہو
ہندوستان پہ پڑتی ہیں ہر سمت لعنتیں
اللہ کرے ہمیں بھی وہ لعنت نصیب ہو

۱؎ بنی نوع انسان کے محسنانِ خاص انگریز قوم نے پاکستان کے احمدی حضرات کے تحفظ کا مسئلہ اپنے دار لعلوام میں پیش کرنے کا فیصلہ فرمایا

اکبر لاہوری کی دیگر زیرِ طبع تصانیف

(۱) چمنِ نظم (نظموں کا مجموعہ) (۲) واردات (غزلیات)

(۳) عجائبِ انستان کے سات عجائبات (ناقابلِ فراموش ہوش کُش افسانے)

(۴) میں یہاں کیسے آئی؟ (اس بازار کی پندرہ دل دوز و چشم کشا داستانیں)

(۵) ہَوکے تے ہاسے (پنجابی کہانیاں)

(۶) راوی دیاں رمزاں (پنجابی مجموعۂ کلام)

(۷) جھروکہ اکبر لاہوری کے اُردو کلام نظم و نثر کی جھلکیاں۔

(۸) AND THUS FLOWS THE RIVER RAVI

(یوں بہتا ہے راوی یا دو یوں بہتا ہے راوی)

نامور معاصرین کے پنجابی کلام نظم و نثر کا انگریزی ترجمہ

(۹) کشکول (بزرگانِ دین و اولیائے کرام کی محفلوں کے لائق عارفانہ پنجابی کلام)

ملنے کا پتہ: راوی بک ہاؤس
چوک اردو بازار لاہور

قیمت
مجلد دس روپے: پچاس پیسے

بذریعہ ڈاک: اکبر لاہوری۔ ۴/۲ میاں
میر روڈ لاہور ڈاکخانہ مغل پورہ